بسم اللہ الرحمن الرحیم

# لہو کے پھول

ناز خیالوی

| | |
|---|---|
| تاریخ اشاعت | جون 2012 |
| کمپوزنگ | فیصل حبیب (لاہور) |
| سرورق | |
| تزئین واہتمام | منیر قاسم، جاوید اقبال زاہد |
| مطبع | |
| قیمت | |

# انتساب

ہیں سخنور نازؔ اچھے اور بھی اس دور میں
کوئی ''دانش'' کا مگر ہمسر نہیں لگتا مجھے

منفرد استاد دانشؔ بھی ہیں غالبؔ کی طرح
یوں تو دنیا میں ہیں نازؔ اچھے سخن ور اور بھی

**شہنشاہِ سخن، استاد محترم**
احسان دانش کے نام

زلفوں میں جن کی میں نے سجائے لہو کے پھول
یارو انہیں کے ہاتھ سے پتھر لگے مجھے

# فهرست

◎

بہت عرصہ گنہگاروں میں پیغمبر نہیں رہتے
کہ سنگ و خشت کی بستی میں شیشہ گر نہیں رہتے

ادھوری ہر کہانی ہے یہاں ذوقِ تماشہ کی
کبھی نظریں نہیں رہتیں، کبھی منظر نہیں رہتے

بہت مہنگی پڑے گی پاسبانی تم کو غیرت کی!
جو دستاریں بچا لیتے ہیں ان کے سر نہیں رہتے

مجھے نادم کیا کل رات دروازے نے یہ کہہ کر
شریف انسان گھر سے دیر تک باہر نہیں رہتے

خود آگاہی کی منزل عمر بھی ان کو نہیں ملتی
جو کوچہ گرد اپنی ذات کے اندر نہیں رہتے

پٹخ دیتا ہے ساحل پر سمندر مردہ جسموں کو
زیادہ دیر تک اندر کے کھوٹ اندر نہیں رہتے

بجا ہے زعم سورج کو بھی نازؔ اپنی تمازت پر
ہمارے شہر میں بھی موم کے پیکر نہیں رہتے

◎

دل میں کیا سوچ کے ماں باپ نے پالے بچے
اور حالات نے کس رنگ میں ڈھالے بچے

آپ کھولیں تو سہی ان پر درِ رزقِ حلال
پھر نہ توڑیں گے کبھی رات کو تالے بچے

نور ماں باپ کی آنکھوں کا ہوا کرتے ہیں
ایک ہی بات ہے گورے ہوں یا کالے بچے

گھر سے نکلے تھے کھلونوں کو خریداری کو
ہو گئے بردہ فروشوں کے حوالے بچے

میرے آنسو مرے دامن کو بھگو دیتے ہیں
دیکھ کر کھاتے ہوئے خشک نوالے بچے

سسکیاں لیتی ہے عریانی مرے بچوں کی
اوڑھ کر بنگلوں سے نکلیں جو دوشالے بچے

بات پریوں کی وہ سننے پہ بضد تھے، لیکن
کل کے وعدے پہ تھکے باپ نے ٹالے بچے

اہلِ دنیا ہی سے پیٹ اپنا بھرا دنیا نے
یہ وہ ناگن ہے جو بھوکی ہو تو کھا لے بچے

زندگی اپنی کبھی نازؔ لٹا بیٹھتے ہیں
گڈیاں ٹوٹی ہوئیں لوٹنے والے بچے

◎

جب اپنے زورِ بازو پر بھروسہ کر لیا میں نے
جو چاہا پا لیا میں نے جو سوچا کر لیا میں نے

بہر صورت مجھے ملحوظِ خاطر تھی خوشی تیری
تُو جیسا چاہتا تھا خود کو ویسا کر لیا میں نے

بہت مہنگی پڑے گی تجھ کو سورج سے نظر بازی
اسی دیوانگی میں خود کو اندھا کر لیا میں نے

بڑوں سے مل کے چلنے کا یہی نقصان کیا کم ہے
کہ دنیا کی نظر میں خود کو چھوٹا کر لیا میں نے

اجازت دینے آئے ہیں وہ اظہارِ تمنا کی
جب اپنے دل کو محرومِ تمنا کر لیا میں نے

بساطِ عشق پر میں‌نے انا بھی ہار دی اپنی
تری خاطر یہ گھاٹا بھی گوارا کر لیا میں نے

مشقت کو پلا دی جسم کی ساری توانائی
جوانی میں ہی خود کو نازؔ بوڑھا کر لیا میں نے

◎

پہلے جیسا رنگِ بام و در نہیں لگتا مجھے
اب تو اپنا گھر بھی اپنا گھر نہیں لگتا مجھے

لگتی ہو گی تجھ کو بھی میری نظر بدلی ہوئی
تیرا پیکر بھی ترا پیکر نہیں لگتا مجھے

کیا کہوں اس زلف سے وابستگی کا فائدہ
اب اندھیری رات میں بھی ڈر نہیں لگتا مجھے

مجھ کو زخمی کر نہیں سکتا کوئی دستِ ستم
میں ندی کا چاند ہوں، پتھر نہیں لگتا مجھے

سنتِ شاہِؐ امم کا ہوں میں لذت آشنا
خاک سے بہتر کوئی بستر نہیں لگتا مجھے

جب سے دستارِ فضیلت پائی ہے دربار میں
جانے کیوں شانوں پہ اپنا سر نہیں لگتا مجھے

ہیں سخنور نازؔ اچھے اور بھی اس دور میں
کوئی ''دانش'' کا مگر ہمسر نہیں لگتا مجھے

◎

غموں کے راز لوگوں پر عیاں ہونے نہیں دیتے
ہم اپنے دشمنوں کا بھی زیاں ہونے نہیں دیتے

نمو کی قوتیں صدمات میں دم توڑ دیتی ہیں
غم و آلام بچوں کو جواں ہونے نہیں دیتے

کڑے پہرے رواجوں کے ہیں الفت کی صداؤں پر
یہ کافر دل کے کعبے میں اذاں ہونے نہیں دیتے

ہم ان کو احتیاطاً الجھنوں سے دور رکھتے ہیں
وہ ہم کو انتقاماً شادماں ہونے نہیں دیتے

گلِ زخمِ تمنا، کچھ بھی ہو تو مطمئن رہنا
تجھے ہم لوگ بربادِ خزاں ہونے نہیں دیتے

رواں ہیں آنسوؤں کی آبدوزیں باوجود اس کے
ہم آنکھوں پر سمندر کا گماں ہونے نہیں دیتے

تعلق کچھ نہ کچھ گھر سے بھی رکھتے ہیں مسافت میں
مسافر نازؔ خود کو بے اماں ہونے نہیں دیتے

◎

مر بھی جاؤں اگر حسرتِ دیدار کے ساتھ
لگ کے بیٹھوں گا نہ لیکن تیری دیوار کے ساتھ

خوں پلایا، کھلایا ہے جگر تیری قسم
ہم نے پالا ہے ترے غم کو بڑے پیار کے ساتھ

بے نواؤں کے مقدر میں ہے رُلتے پھرنا
کبھی گھربار کی خاطر، کبھی گھربار کے ساتھ

سر جھکایا ہے نہ دستار اترنے دی ہے
یہ الگ بات کہ سر کٹ گیا دستار کے ساتھ

کر دیا شدتِ احساس نے گھائل مجھ کو
جھک بھی جاتا ہے شجر کثرتِ اثمار کے ساتھ

برف کہسار کی چوٹی سے ہے یوں لپٹی ہوئی
جیسے مٹیار جڑی بیٹھی ہو مٹیار کے ساتھ

رازدار اپنا ہواؤں کو بنانا نہ کبھی
دوستی ان کی ہے ہر کوچہ و بازار کے ساتھ

پارساؤں کا تو کچھ ٹھیک سے معلوم نہیں
رحمتیں حق کی یقینا ہیں گنہگار کے ساتھ

وہی انداز، وہی نازؔ، وہی طور سبھی
کتنا ملتا ہے وہ ظالم مرے اشعار کے ساتھ

◎

سادگی بھی ہے شرارت اس کی
بوجھ لی دل نے بجھارت اس کی

روح جلسہ ہے تمناؤں کا
درد کرتا ہے صدارت اس کی

ہم سے تحسین طلب ہے دن رات
کتنی مفلس ہے امارت اس کی

اس کو لوٹاؤں گا میں سود کے ساتھ
قرض ہے مجھ پہ حقارت اس کی

جس نے پی کیف کی حد سے بڑھ کر
مے کشی ہو گئی غارت اس کی

موت کو تحفۂ جاں پیش کرو
آخری ہے یہ سفارت اس کی

نازؔ، وہ عرس میں آیا ہو گا
آؤ کر آئیں زیارت اس کی

◎

رونقیں لٹ جائیں گی تو دیکھتا رہ جائے گا
اٹھ گئے ہم لوگ تو محفل میں کیا رہ جائے گا

آگہی دے جائے گی کربِ مسلسل کا عذاب
روح میں احساس کا نیزہ گڑا رہ جائے گا

میرا دل جلتا رہے گا آتشِ احساس میں
تیرا سر بارِ ندامت سے جھکا رہ جائے گا

بانٹ دے گا وقت اہلِ زر میں ساری نعمتیں
مفلسوں کے واسطے حرفِ دعا رہ جائے گا

شوق کچھ کرنے کا ہے تو کر گذر جو دل میں ہے
سوچنے بیٹھے گا تُو تو سوچتا رہ جائے گا

چل پڑے گا چاند انگلی رات کی پکڑے ہوئے
شام کی دہلیز پہ سورج پڑا رہ جائے گا

نازؔ انساں کو گرا دیتا ہے رسموں کا عروج
اس سفر میں جو بھی آگے بڑھ گیا ’رہ جائے گا‘

◎

پھر مساوات و اخوت کے پیمبر جاگے
مفلسی! جشن منا، تیرے مقدر جاگے

پڑ گئیں وقت کے خیبر میں دراڑیں کیا کیا
یا علی کہہ کے جونہی مست قلندر جاگے

بدعتِ مایہ پرستی کو مٹا سکتے ہیں
دل میں گر جذبۂ سلمانؓ و ابوذرؓ جاگے

خاک کے درد میں افلاک بھی ہوتے ہیں شریک
چاند تارے بھی مرے ساتھ برابر جاگے

پاسباں ایک سرِ عرشِ علیٰ ہے میرا
اک محافظ ہے مرا جو مرے اندر جاگے

سیپیاں چننے میں مشغول ہیں کمسن کیا کیا
اور کچھ دیر نہ یا رب یہ سمندر جاگے

موند لے سامنے خطرے کے جو نازؔ آنکھوں کو
ایک ہی بات ہے سوئے کہ کبوتر جاگے

◎

آدمیت کی لاش پر تنہا
میں ہوں برسوں سے نوحہ گر تنہا

خود نمائی کی وہ وبا پھیلی
پھر رہا ہے بشر بشر تنہا

سازشیں ناخدا بھی کرتے ہیں
یونہی بدنام ہے بھنور تنہا

سب نے مل کر شجر کو سینچا ہے
کیوں کوئی کھائے گا ثمر تنہا

اجڑے دل میں گئے دنوں کی یاد!
جیسے جنگل میں کوئی گھر تنہا

میں نے کھائے ہیں یاس کے پتھر
آرزوؤں کے موڑ پر تنہا

جنگ لڑتا رہا رعونت سے
میں وفا کا پیامبر تنہا

اے غمِ دوستی نہ چھوڑ مجھے
اس طرح سے نہ مجھ کو کر تنہا

کوئی پروانہ اب نہیں آتا
شمع جلتی ہے رات بھر تنہا

نازؔ اہلِ وفا کا ہے فقدان
کیسے کاٹو گے یہ سفر تنہا

◎

دوست زخمی، رقیب زخمی ہے
آرزو کا نصیب زخمی ہے

سایۂ گل میں اس کو ڈال آئیں
دوستو عندلیب زخمی ہے

چل رہی ہے ضرورتوں کی چھری
ملک میں ہر غریب زخمی ہے

اے ادب پرورو! کوئی مرہم
عصرِ نو کا ادیب زخمی ہے

اپنی تیغِ زباں درازی سے
فتنہ پرور خطیب زخمی ہے

عصرِ نو کے نشیب میں گر کر
طرزِ نو کا نقیب زخمی ہے

کسی مرہم کا مانتا ہی نہیں
دل عجیب و غریب زخمی ہے

نازؔ انسان وقت کی زد سے
دور ہے یا قریب، زخمی ہے

◎

ہجر کی راتوں میں ننھا سا ایک دیا
میرے ساتھ برابر جاگا ایک دیا

برچھی لے کر سرخ سلگتے شعلے کی
دیتا ہے ہر رات کو پہرا ایک دیا

کس جرأت کے ساتھ اندھیرے لشکر سے
شب بھر جنگ لڑا ہے تنہا ایک دیا

چور مری بدبختی بن کر آئے تھے
خوش بختی سے جاگ رہا تھا ایک دیا

لا تعداد پرائے چاند ستاروں سے
لاکھوں درجے بہتر اپنا ایک دیا

بام پہ جس کے روز چراغاں ہوتا تھا
اب اس گھر کا کل سرمایا ایک دیا

پوچھتے کیا ہو دنیا ہم درویشوں کی
ایک ہے کمبل، ایک پیالہ، ایک دیا

دل کے ہوتے ناآز نہیں ہے کوئی کمی
یار خدا نے لاکھوں جیسا ''ایک دیا''

◎

گھر بھی سونا ہے مری زیست کے آنگن کی طرح
لوٹ کر وقت نہ آیا مرے بچپن کی طرح

گردشِ وقت کے روندے ہوئے انسانوں کا
کوئی مصرف نہیں ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح

وار چھپ کر نہ کریں دوست منافق بن کر
کھل کے آ جائیں مرے سامنے دشمن کی طرح

(ق) کر کے گھائل مجھے اس کا بھی برا حال ہوا
اس کی زلفیں بھی سلجھیں مری الجھن کی طرح

مجھ کو غربت نے ڈسسا، اس کو ہوس مار گئی
بک گیا وہ بھی بہرحال مرے فن کی طرح

(ق) آپ چھم سے جو تصور میں چلے آئے کبھی
دل دھڑکنے لگا بجتی ہوئی جھانجن کی طرح

کچھ مرا ذوقِ سماعت بھی بہک جاتا ہے
کچھ ترے پاؤں کی آہٹ بھی ہے دھڑکن کی طرح

سخت ویران بہت نکھری ہوئی چاندنی شب!
میری تقدیر کی صورت، ترے جوبن کی طرح

پرتوِ زلف مرے بہتے ہوئے اشکوں میں
کسی سیلاب میں بہتی ہوئی ناگن کی طرح

جانے کیا بات ہے جلتا ہے، حسد کرتا ہے
غمِ دنیا، غمِ محبوب سے سوکن کی طرح

برق گرنے کا جہاں نازؔ بہت خطرہ تھا
ہم نے ڈالی اسی ''ڈالی'' پہ نشیمن کی ''طرح''

◎

پھیر لیں یاروں نے آنکھیں بخت ڈھل جانے کے بعد
تتلیاں آتیں نہیں پھولوں پہ، مرجھانے کے بعد

باعثِ مرگِ اَنا میری یہی پستی بنی
خود کو قاتل لگ رہا ہوں ہاتھ پھیلانے کے بعد

باغ میں ٹھمکے لگاتی پھرتی ہے فصلِ بہار
سرخ جھمکے نوجواں شاخوں کو پہنانے کے بعد

کر دیا دل کے اس نے مجھ کو پابندِ وفا
قید بھی گویا سنا دی اس نے جرمانے کے بعد

شہر کے ماحول میں بھی سانپ سو قسموں کے ہیں
جوگیو! پھیرا ادھر بھی ایک ویرانے کے بعد

چھو رہے تھے ظالموں کے سر مرے پیروں کے ساتھ
کس قدر اونچا تھا میں سولی پہ چڑھ جانے کے بعد

نازؔ میں خود کو نجانے کیوں برہنہ سا لگا
آرزو کو لفظ کی پوشاک پہنانے کے بعد

◎

جب تصور میں کوئی چاند سے چہرہ اترا
دل کے آنگن میں محبت کا اجالا اترا

حیف صد حیف، مری عمر کا دریا اترا
سرے سے لیکن نہیں بارِ غمِ دنیا اترا

دل میں یوں شدتِ احساس کا نیزہ اترا
زخم کی تہ نہ ملی لاکھ میں گہرا اترا

خاک دنیا کے خداؤں نے اڑا دی میری
اے خدا بن کے میں نائب ترا اچھا اترا

میرے معیار کو سمجھا نہ کوئی دَور کبھی
میں تو ہر دور کے معیار پہ پورا اترا

قتل ہونے کا نہیں غم مجھے صدمہ یہ ہے
میرے سینے میں مرے بھائی کا نیزہ اترا

داستاں سوزِ تمنا کی سنا دوں لیکن!
کون دیکھے گا اگر آپ کا چہرہ اترا

خود مجھے بھی نہ ملا نازؔ کوئی اس کا سراغ
وہ مری روح کی گہرائی میں ایسا اترا

◎

عظمتِ فکر و ہنر کے نام پر غزلیں کہیں
مستیٔ ذوقِ غزل میں عمر بھر غزلیں کہیں

روح میں بستا رہا جب تک کوئی جانِ غزل
رات دن غزلیں کہیں، شام و سحر غزلیں کہیں

سرمئی زلفوں پہ موزوں سانولے مصرعے کہے
جلوۂ رخسار پر رشکِ سحر غزلیں کہیں

خرمنِ اغیار کو جو راکھ کر دیتی رہیں
میں نے ایسی بھی کئی برق و شرر غزلیں کہیں

اک زمانے کی قیادت کی مرے اشعار نے
بے خودی میں کیسی کیسی راہبر غزلیں کہیں

آئینے جتنے بنائے اتنے ہی پتھر سہے
اس قدر اعزاز پائے جس قدر غزلیں کہیں

سنگ باری اس طرف سے جانے کیوں ہوتی رہی
میں نے تو اپنی طرف سے بے ضرر غزلیں کہیں

بھیگے موسم نے بڑھا دی اور بھی دل کی جلن
کھل کے برسا ابر، میں نے ٹوٹ کر غزلیں کہیں

مقتلوں میں، سولیوں پر، تیغ کے سائے تلے
مستیٔ لَا یَحْزَنُوْنَ میں جھوم کر غزلیں کہیں

نازؔ ہم نے لاج رکھی جرأتِ اظہار کی
ظلم کے پہرے میں بے خوف و خطر غزلیں کہیں

◎

ہر مشکل یوں ٹالی ہے
ماں کی نیک دعا لی ہے

آج شرافت دنیا میں
ایک مہذب گالی ہے

آج بھی تیرے جلووں سے
آنکھ کا کاسہ خالی ہے

عشق، ریا کی دلّی میں
احمد شاہ ابدالی ہے

بیٹے جس کے تابع ہوں
ماں وہ ''کرماں والی'' ہے

اللہ بیلی کٹیا کا
آندھی آنے والی ہے

جان لٹا کر ناز اپنی
ہم نے آن بچا لی ہے

◎

پھیلنے، بڑھنے لگے ہیں صاحبِ زر اور بھی
تنگ ہو جائے گی دھرتی مفلسوں پر اور بھی

یہ زمیں زرخیز ہو گی خون پی کر اور بھی
کھیتیاں اگلاکریں گی لعل و گوہر اور بھی

ہر زمانے میں ثبوتِ عشق مانگا جائے گا
''لال'' ماؤں کے چڑھیں گے سولیوں پر اور بھی

پھولتے، پھلتے ہیں جذبے درد کے ماحول میں
زخم کھائیں تو نکھرتے ہیں سخن ور اور بھی

آفتاب ابھرا ہے جس دن سے نئی تہذیب کا
ہو گیا تاریک انساں کا مقدر اور بھی

جب چلی تحریک تعمیرِ وطن کی دوستو
ہو گئے برباد کچھ بستے ہوئے گھر اور بھی

جس قدر باہر کی رونق میں مگن ہوتا گیا
بڑھ گئی بے رونقی انساں کے اندر اور بھی

میں بناتا جا رہا ہوں اور بھی کچھ آئینے
وقت برساتا چلا جاتا ہے پتھر اور بھی

بستیوں پر حادثوں کی چاند ماری کے لئے
بڑھ رہے ہیں اوج کی جانب ستمگر اور بھی

منفرد استاد دانشؔ بھی ہیں غالبؔ کی طرح
یوں تو دنیا میں ہیں نازؔ اچھے سخن ور اور بھی

◎

نا امید آنکھوں میں خوابوں کا سفر جاری رہا
ریگزاروں میں سرابوں کا سفر جاری رہا

میرے ارمانوں کی قسمت میں رہی آوارگی
رات دن خانہ خرابوں کا سفر جاری رہا

گو زمیں نے راستہ ان کا سدا روکا مگر
آفتابوں، ماہتابوں کا سفر جاری رہا

بارہا موجوں کے ہاتھوں ٹوٹنے کے باوجود
سطحِ دریا پر حبابوں کا سفر جاری رہا

آیتوں کی شکل میں، چہروں کی صورت میں کبھی
آسمانوں سے کتابوں کا سفر جاری رہا

ایک برگِ گل بھی اب ان کے مزاروں پر نہیں
جن کے قدموں تک گلابوں کا سفر جاری رہا

کِبر و نازِ حسن سے عجزِ محبت کی طرف
ہر زمانے میں عتابوں کا سفر جاری رہا

◎

اہل دِل خواب ہوئے
سخت نایاب ہوئے

آپ کو یاد کیا
جب بھی بے تاب ہوئے

بارشیں خوب ہوئیں
خشک تالاب ہوئے

دھول شہروں میں اڑی
دشت سیراب ہوئے

غم کی جاگیر ملی
ہم بھی نواب ہوئے

پھول مرجھائے رہے
خار شاداب ہوئے

◎

آباد جتنے لوگ تھے بے گھر لگے مجھے
آنکھیں کھنڈر تو ذہن بھی بنجر لگے مجھے

پھیلا ہوا ہے چاروں طرف روشنی کا زہر
سورج کی ہر کرن بھی تو نشتر لگے مجھے

زلفوں میں جن کی میں نے سجائے لہو کے پھول
یارو انہیں کے ہاتھ سے پتھر لگے مجھے

آیا نہ راس خواب میں شوقِ شناوری
آنکھیں کھلیں تو خشک سمندر لگے مجھے

شب خوں خود اپنی ذات پہ مارا ہے دوستو
اکثر خود اپنے ہاتھ سے خنجر لگے مجھے

سایہ زمیں پہ رہ گیا اور جسم اڑ گیا
کل رات تیری یاد میں وہ پر لگے مجھے

جب نازؔ اپنی زیست کا میں تجزیہ کروں
ہر شخص اپنے آپ سے بہتر لگے مجھے

◎

کہو سن لیں کہ شعر ان کو ہمارے کچھ نہیں کہتے
کنائے بے ضرر ہیں، استعارے کچھ نہیں کہتے

سب اندازے لگا لیتا ہے ان کی چال سے ورنہ
منجم سے زبانی تو ستارے کچھ نہیں کہتے

ڈبو دیتا ہے کیا کیا کشتیوں کو سامنے ان کے
سمندر کو مگر بے حس کنارے کچھ نہیں کہتے

بس اتنا ہم نے دیکھا ہے محبت کی تجارت میں
منافعے کچھ نہیں دیتے، خسارے کچھ نہیں کہتے

ہمارے ہر عمل پر ہے کڑی ان کی نظر، پھر بھی
غنیمت ہے ہمیں بچے ہمارے کچھ نہیں کہتے

کرو مامور ہم کو آشیانوں کی حفاظت پر
کہ ہم شعلہ بجانوں کو شرارے کچھ نہیں کہتے

میں ان کے نام کا کتبہ لکھے پھرتا ہوں ماتھے پر
وہ اس پر بھی کسی سے میرے بارے کچھ نہیں کہتے

کہاں کے منصف و عادل، فقیہہ و محتسب کیسے
انہیں کے ہیں یہ سارے ان کو سارے کچھ نہیں کہتے

ہنر ضبطِ نفس کا ناز آتا ہو جو انساں کو
رگوں میں جلتے، بلتے خوں کے دھارے کچھ نہیں کہتے

◎

کیوں نہ مجھ کو جان سے پیارے ہوں زخموں کے چراغ
یہ نشانی کی نشانی ہیں، چراغوں کے چراغ

قصرِ شاہی میں بپا تھا جشنِ مرگِ روشنی
آندھیاں جب چاٹتی پھرتیں تھیں خیموں کے چراغ

شوق جلنے کا ہمیں، ارباب کو بجھنے کا ڈر
ہم منڈیروں کے دیئے، وہ بند کمروں کے چراغ

دورِ آئندہ میں پھر پلٹے گی تہذیبِ کہن
اگلے وقتوں میں جلیں گے پچھلے وقتوں کے چراغ

کرتے ہیں ہر شام استقبال تیری یاد کا
میری پلکوں کی منڈیروں پر یہ اشکوں کے چراغ

کھا گئیں کتنے جوانوں کو پرانی رنجشیں
جل بجھے ان آندھیوں میں کتنی نسلوں کے چراغ

خون روتا ہوں جو یاد آتے ہیں یارانِ حسیں
میری صبحوں کے وہ سورج، میری راتوں کے چراغ

موسمِ گل کی اتاری جا رہی تھی آرتی
ٹہنی ٹہنی نے اٹھا رکھے تھے پھولوں کے چراغ

نیند کی نگری میں ہوتا ہے چراغاں کا سماں
جگمگا اٹھتے ہیں جب بھی تیرے خوابوں کے چراغ

دہر میں ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں بے فیض لوگ
جیسے غاروں کے خزانے، جیسے قبروں کے چراغ

مفلسی تنہا بنا دیتی ہے نازؔ انساں کو
بھوک کی آندھی بجھا دیتی ہے رشتوں کے چراغ

◎

دیکھتے ہو جو روز خواب میں خواب
ڈال دیں گے تمہیں عذاب میں خواب

خواب میں ماہتاب دیکھتے ہیں
کیسے دیکھیں گے ماہتاب میں خواب

ہم حقیقت پرست رندوں نے
گھول کر پی لئے شراب میں خواب

عکس دیکھو ذرا ستاروں کے
جیسے اترے ہوئے ہوں آب میں خواب

ان سے صرفِ نظر کروں کیسے
میری آنکھوں کے ہیں نصاب میں خواب

خواب میں اب شباب دیکھتے ہیں
دیکھتے تھے کبھی شباب میں خواب

ہر حقیقت سوال کا اس نے
مجھ کو بھیجا سدا جواب میں خواب

آپ پہنائیں ان کو تعبیریں
پیش ہیں آپ کی جناب میں خواب

◎

تمام شہرِ ستمگر مری تلاش میں ہے
''ہر ایک ہاتھ کا پتھر مری تلاش میں ہے''

گناہِ زندگی کر کے میں چھپتا پھرتا ہوں
قضا ازل سے برابر مری تلاش میں ہے

غمِ حبیب خدارا پناہ دے مجھ کو
غمِ حیات کا لشکر مری تلاش میں ہے

میں بھاگتا پھرا پیچھے یونہی ڈر کے
خبر نہ تھی کہ مقدر مری تلاش میں ہے

جو تشنگی کے الاؤ نے مجھ کو پھونک دیا
خبر ملی کہ سمندر مری تلاش میں ہے

نجات اب تو مجھے دے اے ذوقِ دربدری
کہ مدتوں سے مرا گھر مری تلاش میں ہے

نقیب حق کا ہوں میں عصرِ نو کے کوفے میں
یزیدِ وقت کا خنجر مری تلاش میں ہے

میں اپنے آپ سے نکلا ہوں نازؔ جس دن سے
مرا اداس سا پیکر مری تلاش میں ہے

◎

چھا گئی اک مضمحل سے خامشی، باتوں کے بعد
ملنے والے ہو گئے تنہا ملاقاتوں کے بعد

ہائے وہ رنگین نغمے، آہ وہ غمگیں سکوت
یاد آتے ہیں جنازے مجھ کو باراتوں کے بعد

آنکھ کو درپیش رہتا ہے اندھیرے کا سفر
چاندنی راتوں سے پہلے، چاندنی راتوں کے بعد

شکریہ اس لطفِ پیہم کا مگر ڈرتا ہوں میں
خشک سالی دیکھنی پڑتی ہے برساتوں کے بعد

دردِ دل، سوزِ جگر، زخمِ وفا، داغِ الم
ان سے مانگیں نازؔ کیا اب اتنی سوغاتوں کے بعد

◎

بوئے خوں پھیلی قریب و دور تیرے شہر میں
ظلم تیرا ہو گیا مشہور تیرے شہر میں

وہ کریں تعظیم کیسے تیرے پتھر راج کی
آئینے جن کے ہوئے ہیں چور تیرے شہر میں

جو سجاتے ہیں ترے بنگلے میں سورج نت نیا
جھونپڑے ان کے ہیں کیوں بے نور تیرے شہر میں

پی چکی ہیں سات نسلیں جن کی خونِ منصفی
ہیں وہی انصاف پر مامور تیرے شہر میں

تو کہاں تک کر سکے گا سولیوں کا اہتمام
آج تو ہر شخص ہے منصور تیرے شہر میں

مجھ کو اپنے خوں کی بو آتی ہے اس ماحول سے
میرا قاتل ہے کہیں مستور تیرے شہر میں

تو مگن تھا اپنے کتے پالنے کے شوق میں
مر گئے بھوکے کئی مجبور تیرے شہر میں

میں برہنہ دیکھتا ہوں تجھ کو ہر اک بات میں
جب سے گالی بن گئی دستور تیرے شہر میں

جن کے سر سہرا ہے نازؔ اس شہر کی تعمیر کا
گھر سے ہیں محروم وہ مزدور تیرے شہر میں

◎

رائیگاں جائے گی بے روح عبادت، نہ کرے
بے عمل شخص کسی کو بھی نصیحت نہ کرے

جیب خالی ہو تو میلے سے نکلنا بہتر
روح مردہ ہو تو جینے کی حماقت نہ کرے

اوجِ حالات سے للکار رہے ہیں پتھر
کوئی بھی سر کو اٹھانے کی جسارت نہ کرے

ظلم کو جھیلنا تہذیب سے غداری ہے
سخت ظالم ہے جو ظالم سے بغاوت نہ کرے

حاکمِ وقت کرے عدل کی تعظیم اگر
کوئی مجرم کبھی توہینِ عدالت نہ کرے

میرے افکار پہ سائنس کا غلبہ ہی سہی
ہاں مگر، میرے عقائد پہ حکومت نہ کرے

رحمتِ حق کا سزاوار نہیں ہو سکتا
اس کے بندوں سے اگر کوئی محبت نہ کرے

فائدہ میری مذمت سے نہیں نازؔ کوئی
تیرا احساس اگر تجھ کو ملامت نہ کرے

◎

دستورِ ظلم کوئی بھی ایسا نہیں بنا
قاتل کبھی کسی کا مسیحا نہیں بنا

اب کے بھی سادگی رہی گاؤں کی ساتھ ساتھ
اب کے بھی کام شہر میں اپنا نہیں بنا

دربار سے نکالا گیا ہوں میں اس لیے
جیسا وہ چاہتے تھے میں ویسا نہیں بنا

شعروں میں غم کے نقش ابھارے نہیں گئے
مجھ سے غزل میں ہجر کا چہرہ نہیں بنا

شوقِ مصوری بھی، شکاری کا خوف بھی
ٹہنی تو بن گئی تھی، پرندہ نہیں بنا

شاطر تھا کس قدر وہ حسیں شخص کیا کہیں
سب کو بنا گیا ہے، کسی کا نہیں بنا

خواہش مری کوئی بھی طلب تک نہیں گئی
میں نازؔ مفلسی میں تماشا نہیں بنا

◎

مضمحل پہلے بھی تھے جذبے مگر ایسے نہ تھے
دوستی کے سلسلے نامعتبر ایسے نہ تھے

کوششِ اظہار اک آنسو پہ آ کر رک گئی
ورنہ دردِ دل کے قصے مختصر ایسے نہ تھے

بٹ گئے اک ایک مصرعے میں غزل کے نام پر
ہم کبھی بکھرے ہوئے قرطاس پر ایسے نہ تھے

مطمئن اتنا نہیں تھا وہ بھی ہم سے جیت کر
دل گرفتہ ہم بھی اُس سے ہار کر ایسے نہ تھے

آ پڑی تھی لاج اپنی بے نیازی کی انہیں
ورنہ میرے حال سے وہ بے خبر ایسے نہ تھے

شہر کا نقشہ یہی تھا طور لیکن اور تھے
گھر تو ایسے تھے مگر دیوار و در ایسے نہ تھے

اپنے ذوقِ خود فریبی نے ہمیں غارت کیا!
دوست! ہم تیری طرف سے بے خبر ایسے نہ تھے

مفلسی نے شہ بھی دی، قیمت بھی نازؔ اچھی لگی
بک ہی جاتے ہم گئے گزرے مگر، ایسے نہ تھے

◎

پیوست پھول پھول کے سینے میں خار ہے
یہ انقلابِ حال کی پہلی بہار ہے

سنتے رہو کہ آمدِ فصل بہار ہے
لیکن کلی کلی کی قبا تار، تار ہے

اترا ہوا ہے چاند کا چہرہ، شجر خموش
وقتِ نزولِ رحمتِ پروردگار ہے

تم بادشاہِ وقت کے لے پالکوں میں ہو
جو دل میں ہے کرو تمہیں سب اختیار ہے

ہے عرصۂ حیات میں بحران ہر طرف
خود پروری کے رنگ میں روزِ شمار ہے

چاروں طرف نمایاں جبینوں کے ہیں نشان
جس جس جگہ پہ نقشِ کفِ پائے یار ہے

کیا اور گل کھلائے یہ دیکھیں بہارِ نو
اب تک تو نازؔ جو بھی ہوا آشکار ہے

◎

تیرے ہی لئے ہیں یہ دل و جان و جگر لے
اک بار محبت سے مرا نام مگر لے

کرتی ہے وفا کوہ کنی کا بھی تقاضا
مشتاقِ محبت ہے تو ترغیبِ ہنر لے

ابھریں گے ابھی اور بھی خوابوں کے جزیرے
تھم جائے ہوا بھی ذرا دریا بھی اتر لے

مجبورئ حالات میں گو جان سے جائے
لیکن کسی کم ظرف کا احسان نہ سر لے

جو پھول ملے وقت کے جوڑے میں سجا دے
جو خار ملے دامنِ احساس میں بھر لے

کچھ اور بھی باقی ہے لہو میرے جگر میں
کچھ اور بھی اے گردشِ تقدیر نکھر لے

خود نازؔ کھنچی آئے گی عرفان کی منزل
ادراک ابھی ہوش کی سرحد سے گزر لے

◎

جلووں سے کوئی چیز بھی خالی نہیں ہوتی
ہر آنکھ مگر دیکھنے والی نہیں ہوتی

کر دیتا ہے اک بار جسے عشق معطل
تاعمر کبھی اس کی بحالی نہیں ہوتی

سونا کسی صورت میں بھی کندن نہیں بنتا
جب تک کہ نصیب اس کو کٹھالی نہیں ہوتی

یوں اس کی ہتھیلی پہ حنا کی ہے نگارش
جیسے کوئی ہیروں بھی تھالی نہیں ہوتی؟

ہوتا ہے وہ اک تلخ سا اظہارِ محبت
محبوب کی گالی کوئی گالی نہیں ہوتی

غربت مری غیرت کے قرینے میں ڈھلی ہے
فاقوں میں کسی در کی سوالی نہیں ہوتی

واعظ تیری نیت کی سیاہی ارے توبہ
ایسی تو کوئی رات بھی کالی نہیں ہوتی

معیار ہے نازؔ اور ہی کچھ دادِ سخن کا
اشعار کی قیمت کبھی تالی نہیں ہوتی

◎

چن لیے آ کے سب غیروں نے جب جوبن پہ آئے پھول
خونِ جگر سے سینچ کے ہم نے جو پروان چڑھائے پھول

اک وہ ہیں کہ بیٹھے بٹھائے دامن بھر لیا پھولوں سے
اک ہم ہیں کہ ہاتھ بڑھایا بھی تو ہاتھ نہ آئے پھول

عہدِ خزاں ہوتا تو ہم بھی اس کا نہ کرتے غم کوئی
رونا تو یہ ہے کہ عین بہاروں میں مرجھائے پھول

خوب تماشہ تھا کہ چمن سے فصلِ چمن جب جانے لگی
کوئی پکارا ہائے کانٹے، کوئی پکارا وائے پھول

جیتے جی تسکین مہیا کوئی بھی مجھ کو کر نہ سکا
مر گیا جب مایوس میں ہو کر لوگوں نے برسائے پھول

کانٹوں سے ہم بدظن تھے اور کانٹوں نے ہی ساتھ دیا
پھولوں پر امید تھی ہم کو لیکن کام نہ آئے پھول

ساتھ مرے کچھ ماہ وشوں کو دیکھ کے بولے یار مرے
اتنے پیارے نازؔ کہاں سے آج یہ تم لے آئے پھول

◎

اے دوست شاخ شاخ پہ نفرت کے پھول ہیں
نایاب اس چمن میں اخوت کے پھول ہیں

اہلِ خلوص زد میں عتابوں کی دیکھنا
کانٹوں کی دسترس میں مروت کے پھول ہیں

جھوٹی خوشامدوں کے ہیں نغمے چھڑے ہوئے
مشغولِ رقص دولت و شہرت کے پھول ہیں

اہلِ وفا کی قدر کہاں اہلِ دہر میں
یہ پھول اہلِ دل کی ضرورت کے پھول ہیں

لایا ہوں بزمِ شعر کی تزئین کیلئے
اشعار میرے سوچ کی جنت کے پھول ہیں

اِن کو چمن میں پھولنا پھلنا نصیب ہو
پروردگار! یہ مری محنت کے پھول ہیں

دیکھا ہے ہم نے ان کو خزاں میں بھی شادماں
وہ جن کی جھولیوں میں حقیقت کے پھول ہیں

دامن پہ میرے چھینٹے نہیں یہ شراب کے
ساقی ترے خلوص کی شدت کے پھول ہیں

ہر دور میں جو روندے گئے پاؤں کے تلے
وہ بدنصیب ہم ہی شرافت کے پھول ہیں

گلشن میں روز آگ کی آندھی چلی، مگر
شاداب پھر بھی حق و صداقت کے پھول ہیں

دونوں جہاں میں انؐ کی عنایت کے معترف
وہؐ دو جہاں کے واسطے رحمت کے پھول ہیں

احساسِ جرم کتنا بہار آفریں ہے تو
پلکوں کی ٹہنیوں پہ ندامت کے پھول ہیں

اب تک مرا نصیب ہیں محرومیوں کے خار
درکار ایک عمر سے راحت کے پھول ہیں

تارے ہیں میری آنکھ کے یہ دلفگار لوگ
میں جانتا ہوں نازؔ یہ عظمت کے پھول ہیں

# چار شعر

یوں بجھا کر نہ امیدوں کے ستارے جاؤ
سن ہی لے وہ کبھی اس کو پکارے جاؤ

جان سے آج ہی الفت میں گذرنا سیکھو
کل کو ممکن ہے مقتل سے گزارے جاؤ

ہو کے پسپا بھی بہرطور اگر مرنا ہے
پھر یہ بہتر ہے کہ لڑتے ہوئے مارے جاؤ

قرض جتنے ہیں سرِ خاک اتارو سر سے
اس سے پہلے کہ تہہِ خاک اتارے جاؤ

# تین شعر

کاٹنا ہے یہ اذیت کا سفر، کاٹتے ہیں
نام لکھ کر ترا بادیدۂ تر کاٹتے ہیں

جس کے سائے میں لڑکپن کی بہاریں کھیلیں
اب جواں ہاتھ وہی بوڑھا شجر کاٹتے ہیں

ان کو مسند پہ بٹھانے کے ہیں مجرم سارے
دیکھنا یہ ہے کہ کس کس کا وہ سر کاٹتے ہیں

◎

دھوپ کی مانگ میں سایہ باندھا
قافیہ خوب غزل کا باندھا

کشمکش رازِ وفا کی مت پوچھ
اور کھلتا گیا، جتنا باندھا

تو نے در کھول دیا آندھی کا
میں نے جب عزم سفر کا باندھا

دل لگی کے لئے صیادوں نے
ہم کو سو مرتبہ کھولا، باندھا

یاد رکھنے کی قسم لی اس نے
اور پھر انگلی میں دھاگا باندھا

دل کو تعبیر کیا زنداں سے
زخم کو ہم نے دریچہ باندھا

نازؔ محفل میں سنائی جو غزل
میرے شعروں نے سماں کیا باندھا

◎

روش روش میں فروزاں چراغِ طور ہوا
زہے نصیب کہ دل میں ترا ظہور ہوا

نکھر گئی ہے مری روح زخم کھا کھا کر
متاعِ ہوش لٹا کر میں باشعور ہوا

ہزاروں ٹھوکریں کھا کر نہ جس کو آنچ آئی
تری نگاہ سے گر کر وہ چور، چور ہوا

سمجھ کے لعل اٹھا لائی سنگریزوں کو
نگاہِ شوق سے کتنا بڑا قصور ہوا

وفا کا شوق ہوا ہے حسین لوگوں کو
دیارِ عشق میں پیدا نیا فتور ہوا

نہ کیوں نشیب میں رہ کر ہی نازؔ ہم جی لیں
کل ایک شخص بلندی سے گر کے چور ہوا

◎

عشق کا گر مرید ہو جائے
علم، خواجہؒ فرید ہو جائے

آگہی کے نگار خانے میں
روشنی کچھ مزید ہو جائے

پھر دکانیں سجی ہیں زخموں کی
آؤ پھر کچھ خرید ہو جائے

دل کی جنت کو پھونکنے والے!
تو جہنم رسید ہو جائے

کیا جئیں اہلِ حق وہاں کہ جہاں
لمحہ لمحہ یزیدؔ ہو جائے

رمزِ لاتقنطوا کا متوالا
کس طرح ناامید ہو جائے

وہ خطا کر جو نازؔ تیرے لئے
رحمتوں کی رسید ہو جائے

◎

عظمتِ مشتاق کی امیں کلیاں
میرا ایماں، میرا دیں کلیاں

اف چٹکنا کسی کے ہونٹوں کا
ٹہنی ٹہنی پہ کھل گئیں کلیاں

گلستانِ غزل کی زینت ہیں
میرے شعروں کی دلنشیں کلیاں

جگمگاتے ہوئے ستارے ہیں
شب کے گلدان کی حسیں کلیاں

میں نے پلکوں سے چن لیے کانٹے
تو نے پاؤں سے روند دیں کلیاں

اشک ٹپکے کسی کی پلکوں سے
شاخ سے ٹوٹ کر گریں کلیاں

تلخ لمحوں کو ٹالنے کے لیے
غنچہ و گل نے بیچ دیں کلیاں

گل کھلاتے ہیں باغ میں کیا کیا
یہ جواں پھولِ یہ حسیں کلیاں

◎

بندہ پرور تجھ پہ بندہ پروری مہنگی پڑی
زر پرستوں میں ادائے بوذری مہنگی پڑی

مشترک انداز دونوں کو خسارا دے گیا
دلبری اس کو، مجھے دل پروری مہنگی پڑی

رکھ دیئے بالشتیوں نے پاؤں میرے کاٹ کر
میں قد آور تھا، مجھے قد آوری مہنگی پڑی

لوٹ آیا لے کے دامن میں سسکتی کرچیاں
پتھروں کے شہر میں شیشہ گری مہنگی پڑی

جتنے بے سر تھے وہ دستارِ فضیلت لے گئے
نازؔ میں خودسر تھا مجھ کو خودسری مہنگی پڑی

◎

اسی حیرت میں ساون کی جھڑی ہے
مری کٹیا سلامت کیوں کھڑی ہے

غمِ جاناں بھی تجھ میں ڈھل گیا ہے
غمِ دوراں تری قسمت بڑی ہے

کئی ڈھیر اس نے ریشم کے بنے تھے
یہ میت بے کفن جس کی پڑی ہے

یہ سورج ہے کہ دشتِ کربلا ہے
یہ کرنیں ہیں کہ نیزوں کی جھڑی ہے

ابھی تک یاد ہے عہدِ گزشتہ
یہ برچھی اب بھی سینے میں گڑی ہے

ہے آمادہ بھنور بھی سرکشی پر
ہماری ناؤ بھی ضد پر اڑی ہے

قضا کا نازؔ کیا دینا ہے میں نے
مسلسل کیوں مرے سر پر کھڑی ہے

## کراچی میں مقیم ایک دوست کے نام

جہاں تم ہو وہاں ماحول کی روداد کیسی ہے
وہاں جتنی بھی ہے خلقِ خدا آباد کیسی ہے

منافق اور مخلص دوستوں کا کیا تناسب ہے
وہاں کی محفلوں میں داد اور بیداد کیسی ہے

وہاں ہر گھر میں دیواریں ہی دیواریں ہیں کیوں آخر
وہاں ماں باپ کیسے ہیں، وہاں اولاد کیسی ہے

سنا ہے ابر برساتے ہیں پانی کی جگہ شعلے
وہاں تشنہ لبوں پر یہ نئی افتاد کیسی ہے

وہاں ہر اک کے بارے میں لکھا ہے تم نے ''سب اچھا''
یہاں بیٹھا جو میں سنتا ہوں وہ فریاد کیسی ہے

یہ قصہ بعد کا ہے نازؔ کیا قدرِ ہنر ہو گی
خدا لگتی مگر کہنا غزل استاد! کیسی ہے

◎

میں نے کہا کہ دل جو خزینہ ہے پیار کا
اس نے کہا وہی تو مدینہ ہے پیار کا

میں نے کہا یہ اشکِ الم تیری آنکھ میں
اس نے کہا یہی تو نگینہ ہے پیار کا

میں نے کہا یہ پل کی رفاقت بھی کیا ہوئی
اس نے کہا کہ پل بھی مہینہ ہے پیار کا

میں نے کہا کہ جشن ہے ساحل پہ کس لیے
اس نے کہا بھنور میں سفینہ ہے پیار کا

میں نے کہا کہ خوں ہے رواں میری آنکھ سے
اس نے کہا نہیں، یہ پسینہ ہے پیار کا

میں نے کہا کہ وقت کا دستور ظلم ہے
اس نے کہا کہ صبر قرینہ ہے پیار کا

میں نے کہا کہ نازؔ کھنڈر سا وہ ایک شخص
اس نے کہا ارے وہ دفینہ ہے پیار کا

◎

فکر کے رنگ میں کیا ڈھلی زندگی
بن گئی مستقل بے کلی زندگی

میں غمِ زندگی میں تڑپتا رہا
مسکراتی رہی منچلی زندگی

ٹہنی ٹہنی پہ اشکوں کے غنچے کھلے
درد کی رت میں پھولی پھلی زندگی

تم چلے ہو تو اس کو بھی لیتے چلو
میرے کس کام کی کھوکھلی زندگی

سوزِ پنہاں کی تاثیر مت پوچھیے
دھوپ کیا، چھاؤں میں بھی جلی زندگی

دل مرا شدتِ غم سے پھٹ جائے گا
یوں نہ رو اے مری لاڈلی زندگی

کٹ جو کسی زلف کے سائے میں
خوب تھی نازؔ وہ سانولی زندگی

◎

خلش احساس کی، جذبات کی ہلچل اٹھا لایا
بہت کچھ ان کی محفل سے دلِ بے کل اٹھا لایا

اسے جاتی گھڑی کے ساتھ رخصت کر دیا میں نے
جو غم آتے ہوئے ہر آنے والا پل اٹھا لایا

زمیں پر زلزلہ سا آ گیا جس کے برسنے سے
ہوا میں اتنا پانی کس طرح بادل اٹھا لایا

مجھے لٹوا دیا ذوقِ نظر کی کم نگاہی نے
میں سونا جان کر بازار سے پیتل اٹھا لایا

تقاضا تھا مرے ذوقِ انا کو سربلندی کا
مرا جوشِ جنوں مجھ کو سرِ مقتل اٹھا لایا

اڑا کر لے گئیں ظالم ہوائیں اس کو ساتھ اپنے
چرا کر پانی دریاؤں سے جب بادل اٹھا لایا

◎

جس روز سے میں دن کے اجالے میں لٹا ہوں
بے خوف و خطر شب کے اندھیرے میں چلا ہوں

نغموں کی امانت ہیں مرے نالہ و فریاد
جیسے کسی ٹوٹے ہوئے بربط کی صدا ہوں

ہے اوجِ فلک سایہ فگن آپ کے در پر
میں ذرے کی مانند سرِ خاک پڑا ہوں

آدابِ گلستاں کا پجاری ہوں ازل سے
پھولوں سے شکایت ہے نہ کانٹوں سے خفا ہوں

کوشش نہ کرو مجھ کو بجھانے کی ہواؤ!
میں بھی کسی کٹیا کی امیدوں کا دیا ہوں

اے دوست جہاں خضرؔ و مسیحاؔ نہیں رکتے
حالات کے اس موڑ پہ برسوں سے کھڑا ہوں

اے دیدہ ورو مجھ کو نگاہوں میں بسا لو
غنچوں کا تقدس ہوں میں کلیوں کی حیا ہوں

صد نازؔ پرستش مری کرتا ہے زمانہ
میں پیکرِ انسان ہوں، تصویرِ وفا ہوں

◎

تاریخِ فن کا آج پھر اک باب جل گیا
اک حادثے کی آگ میں بیتاب[1] جل گیا

غفلت میں کیسے کیسے مناظر تھے سامنے
آنکھیں کھلیں تو سلسلۂ خواب جل گیا

میرے لہو سے چہرے رقیبوں کے کِھل گئے
میری خوشی سے حلقۂ احباب جل گیا

پھوٹیں جو میرے چہرے سے کرنیں سکون کی
یارو حسد کی آگ میں مہتاب جل گیا

(1 پروفیسر سلیم بیتاب جو ایک حادثے کا شکار ہو گئے تھے)

کچھ اہلِ دل کو پھونک دیا غم کی آگ نے
جو بچ گیا وہ پی کے مئے ناب جل گیا

برداشت کر سکا نہ مری خستہ جھونپڑی
چھوٹی سے ایک بات پہ سیلاب جل گیا

الفاظ راکھ بن کے فضا میں بکھر گئے
تاریخِ انقلاب کا ہر باب جل گیا

میں تو پھر ایک گدڑی بنا لوں گا اے بخیل
تو کیا کرے گا گر ترا کمخواب جل گیا

بندوق نے وہ اگلے شرارے کہ الاماں
مرغابیوں کا غول سرِ آب جل گیا

◎

پی پپیہے کی بھی، کوئل کی بھی کُو کُو برحق
مست ساون میں ہرے جذبوں کا جادو برحق

روشنی حق کی علامت ہے، کسی روپ میں ہو
وہ ستارہ ہو، شرارہ ہو کہ جگنو برحق

ہُو کا نعرہ بھی رَوا نادِ انا الحق بھی بجا
شاہ منصورؒ سے تا حضرتِ باہوؒ برحق

ستم و جور کی برسات سرار بے جا
خونِ سادات کے اُڑتے ہوئے جگنو برحق

ہیں قلم، ہو کے بھی مصروف علمداری میں
حشر تک حضرت عباسؓ کے بازور برحق

ریب، لا ریب نہیں حسن کی سچائی میں
تیرا چہرہ، تری آنکھیں، ترے گیسو برحق

جس نے جاں وار دی عصمت پہ وہ مٹیار اَمر
کٹ مرا اپنی حمیت پہ جو گھبرو برحق

رقص گاہوں میں تھرکتے ہوئے بانکے بے کار
اُنکے برعکس مرے گاؤں کے چھیڑو۔ برحق

تُو بھی ہارا نہیں دولت سے بقولِ دانش
عظمتِ فن ہے تری نازؔ امر، تُو برحق

◎

کر دیئے دور ترے قرب نے پیارے کتنے
اس منافع نے دیئے مجھ کو خسارے کتنے

مجھ کو سورج کی چکا چوند سے آتا ہے خیال
کھا کے نکلا ہے نہ معلوم ستارے کتنے

کسی طوفان سے جب بھی کبھی ٹکراؤ گے
تم پہ کھل جائے گا مخلص ہیں کنارے کتنے

کتنے دروازوں پہ جھکنا ہے ہمیں اور ابھی
اے غریبی ہیں خداوند ہمارے کتنے؟

اپنے شعروں کی مسیحائی پہ ہے ناز مجھے
جی اُٹھے سن کے غزل درد کے مارے کتنے

◎

دنیائے سکوں زیروزبر ہے کہ نہیں ہے
کہیے مری الفت میں اثر ہے کہ نہیں ہے

سجدے کو تو ہیں آج بھی تیار فرشتے
انسان زمانے میں مگر ہے کہ نہیں ہے

بازارِ محبت میں بھی پوچھا گیا مجھ سے
کچھ پاس ترے دولت و زر ہے کہ نہیں ہے

پیغام ہے طوفان کا دریا کی خموشی
ملاح تجھے اتنی خبر ہے کہ نہیں ہے
محسوس نہ کر سُستی رفتار کو میری
یہ دیکھ مجھے ذوقِ سفر ہے کہ نہیں ہے

سر رکھ کے مرے سینے پہ اُس شوخ نے پوچھا
اب جانِ جگر، دردِ جگر ہے کہ نہیں ہے

آوارہ ہی دیکھا ہے تجھے شام سویرے
اے ناز کہیں تیرا بھی گھر ہے کہ نہیں ہے

◎

نظر فریب نظاروں کو آگ لگ جائے
مری دعا ہے بہاروں کو آگ لگ جائے

خوشی کو چھین لیں، مشکل میں کام آ نہ سکیں
یہی ہیں یار تو یاروں کو آگ لگ جائے

پناہیں دامنِ طوفاں میں مل گئیں مجھ کو
مری بلا سے کناروں کو آگ لگ جائے

جلا رہے ہیں مجھے بے بسی کے دوزخ میں
خدا کرے کہ سہاروں کو آگ لگ جائے

کچھ ایسا زمزمہ چھیڑو نواگرو جس سے
رُبابِ زیست کے تاروں کو آگ لگ جائے

سکونِ زیست کی ٹھنڈک نصیب ہو انکو
نہیں تو درد کے ماروں کو آگ لگ جائے

چھپی ہے ناز وہ آتش مرے نشیمن میں
اگر چھوئیں تو شراروں کو آگ لگ جائے

◎

زندگی گر کر سنبھلنے میں ہوئی پوری مری
ناتواں تو ہوں مگر فطرت ہے تیموری مرے

عمر بھر چلتے رہے اک دوسرے کے ساتھ ساتھ
رسموں ریتوں کے تقاضے اور معذوری میری

ہر گلی، کُوچے میں چرچے میرے کھونے کے ہوئے
میری گمشدگی نے کی ہر سمت مشہوری مری

عنبر و خوشبو کی مانگوں بھیک کیوں اغیار سے
سر زمینِ پاک کی مٹی ہے کستوری مری

عصرِ نو کے جھنگ میں حالات کا رانجھا ہوں میں
ہیر میری مفلسی ہے، بھوک ہے چوری مری

کر دیا نیلام شعروں کو ضرورت کے لیے
میرے بچے کھا گئی اے نازؔ مجبوری مری

◎

رُوح کی تختی سے داغِ آرزو دھویا نہیں
عمر بھر اِس گوہرِ نایاب کو کھویا نہیں

میں مُسلسل نوحہ خواں ہوں اور وہ پیہم خموش
وہ کبھی جاگا نہیں اور میں کبھی سویا نہیں

غم کی خود رَو جھاڑیوں سے اَٹ گئی دل کی زمین
مدتوں سے بیج میں نے یاد کا بویا نہیں

رُوح میں احساس کے کانٹے چبھے تھے اس قدر
میں گلوں کی سیج پر بھی چین سے سویا نہیں

یہ ہے فطرت کا اصول اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے
پائے گا اے نازؔ وہ کیا جس نے کچھ کھویا نہیں

◎

روح کو روز ڈستی رہی بجلیاں
شاخِ گلشن پہ جب تک بسیرا رہا

جو کلی بھی کھلی ہنس کے چپ ہو گئی
کتنا پر خوف ماحول میرا رہا

میرے دل کا نگر لوٹنے کے لیے
مدتوں گھات میں اک لٹیرا رہا

گوشے گوشے کو دیتے رہے روشنی
خود چراغوں کے نیچے اندھیرا رہا

کیا مِلا ڈال کر پھوٹ اغیار کو
وہ تو اُن کا ہوا اور نہ میرا رہا

◎

خوب ہے میری محبت کا صلہ جیسا بھی ہے
آپ جو بھی ہیں رویّہ آپ کا جیسا بھی ہے

یار کی یاری کو دیکھو، یار کے عیبوں سے کیا؟
یار آخر یار ہے، اچھا بُرا جیسا بھی ہے

دل کی دھڑکن پر تری آمد کا ہوتا ہے گمان
ایک رنگ اس میں تری آوازِ پا جیسا بھی ہے

اُسکے تیور بھی پرائے گفتگو بھی اجنبی
دیکھنے میں وہ مگر اِک آشنا جیسا بھی ہے

گو نہیں دیکھا مگر وائے خلوصِ بندگی
مانتا ہوں نازؔ میں اُسکو خدا جیسا بھی ہے

◎

درد کا پہلو میں اٹھنا اور دل کا بیٹھنا
کوئی دیکھے ہجر کے ماروں کا اٹھنا بیٹھنا

کام کیا، جلدی کہاں کی، کونسی مجبوریاں
میرے پاس اُسکو گوارا ہی نہیں تھا بیٹھنا

دوستی کا اور ہی معیار ہے اس دور میں
دیکھنا، دھوکا نہ کوئی بھول کر کھا بیٹھنا

اجنبی لگتی ہیں اُن کی صورتیں بھی، نام بھی
جن کی محفل میں رہا اک عمر اٹھنا بیٹھنا

مشغلے دو ہی تو ہیں دیوانگانِ عشق کے
بے سبب مغموم رہنا اور بے جا بیٹھنا

روزِ اوّل سے یہی ہے شیوۂ اہلِ سخن
قُربتوں کا درس دینا اور تنہا بیٹھنا

دیکھنا اک روز دنیا سے اٹھا دے گا مجھے
تیری بزمِ نازؔ میں آ کر عدو کا بیٹھنا

◎

مسلسل بے کلی ہی میری قسمت ہوتی جاتی ہے
کہ میری ہر خوشی انکی ضرورت ہوتی جاتی ہے

کسی کے گیسوئے پیچاں سے نسبت ہوتی جاتی ہے
مری ہر ایک الجھن خوبصورت ہوتی جاتی ہے

سنایا حالِ دردِ دل انہیں تو ہنس کے فرمایا
تمہیں تو شاعری کرنے کی عادت ہوتی جاتی ہے

میں جتنی احتیاطیں دوستی میں کرتا جاتا ہوں
مرے احباب کو مجھ سے شکایت ہوتی جاتی ہے

تکلف جس قدر کرتے ہیں وہ خود کو چھپانے کا
عیاں کچھ اور بھی ان کی حقیقت ہوتی جاتی ہے

دریچے رحمتوں کے نازؔ مجھ پر کھلتے جاتے ہیں
مجھے جوں جوں گناہوں پر ندامت ہوتی جاتی ہے

◎

دل کا ہر زخم جواں ہو تو غزل ہوتی ہے
درد نس نس میں رواں ہو تو غزل ہوتی ہے

دل میں ہو شوقِ ملاقات کا طوفان بپا
اور رستے میں ''چنہاں'' ہو تو غزل ہوتی ہے

شوق حسرت کے شراروں سے جلا پاتا ہے
جانِ جاں، دشمنِ جاں ہو تو غزل ہوتی ہے

کچھ بھی حاصل نہیں یک طرفہ محبت کا جناب
اُنکی جانب سے بھی ''ہاں'' ہو تو غزل ہوتی ہے

شوکتِ فن کی قسم، حسنِ تخیل کی قسم
دل کے کعبے میں اذاں ہو تو غزل ہوتی ہے

میں اگر اُن کے خدوخال میں کھو جاؤں کبھی
وہ کہیں نازؔ کہاں ہو؟ تو غزل ہوتی ہے

◎

ہر خوشی رنج میں ڈھلتی دیکھی
جب تری آنکھ بدلتی دیکھی

تیرے اَبرو کا اشارہ توبہ
دل پہ تلوار سی چلتی دیکھی

تجھ کو پہلو سے جو اٹھتے دیکھا
جسم سے جان نکلتی دیکھی

ہم نے دیکھا ہے بہت کچھ لیکن
ہجر کی رات نہ ڈھلتی دیکھی

بادہ نوشی کا تقدس دیکھا
حُور ساغر سے نکلتی دیکھی

ہائے نیرنگیٔ دستورِ چمن
شاخ غنچوں کو نگلتی دیکھی

آشیاں نازؔ بنایا جب بھی
اوج پر برق مچلتی دیکھی

◎

ہے مرہونِ کرم سارا زمانہ تیری آنکھوں کا
خدا آباد رکھے آستانہ تیری آنکھوں کا

ازل کے دن اسی نے تیری ہاں میں ہاں ملائی تھی
یہ دل دمساز ہے صدیوں پرانا تیری آنکھوں کا

جسے بھی اک نظر دیکھیں اُسے اہلِ نظر کر دیں
ہے یہ اک معجزہ پیغمبرانہ تیری آنکھوں کا

غرورِ آرزو کا رنگ بھرتا ہے طبیعت میں
ذرا سا مسکرا کر پیش آنا تیری آنکھوں کا

لیا ہر سطر لکھ کر اشتیاقاً جام کا بوسہ
مزے لے لے کے لکھا ہے فسانہ تیری آنکھوں کا

بہت نزدیک سے جام و سبو کو میں نے دیکھا ہے
تعارف ہے مجھے کچھ غائبانہ تیری آنکھوں کا

سبو ان کی شباہت ہے، شراب ان کی وضاحت ہے
مری جاں ترجماں ہے بادہ خانہ تیری آنکھوں کا

یہیں سے پائی ہیں دونوں جہاں کی راحتیں میں نے
مری ہر سانس گاتی ہے ترانہ تیری آنکھوں کا

مقدر نازؔ کو بھی آرزو کی زد پہ لے آیا
بالآخر ہو گیا وہ بھی نشانہ تیری آنکھوں کا

◎

غریبو! چھوڑ دو ارباب زر سے رابطہ رکھنا
بنا کر جھونپڑے برق و شرر سے رابطہ رکھنا

مبارک ہو تمہیں یہ لذّتِ آوارگی، لیکن
بہرصورت جہاں بھی جاؤ گھر سے رابطہ رکھنا

ہزاروں داستانیں موسموں کی یاد ہیں اسکو
عزیزو گاؤں کے بوڑھے شجر سے رابطہ رکھنا

بھلا کیوں ہر جگہ نا معتبر خود کو کیا جائے
ضروری تو نہیں ہر معتبر سے رابطہ رکھنا

بہت بے لوث خدمتگار ہیں یہ آدمیت کے
زمیں کے باسیو! شمس و قمر سے رابطہ رکھنا

◎

کہنے کو تو کیا کچھ یہ سخنور نہیں کہتے
جو بات ہے کہنے کی وہ اکثر نہیں کہتے

وہ لوگ بھی میرے تو ہیں نزدیک ستم گر
جو لوگ ستم گر کو ستم گر نہیں کہتے

غاصب پہ خدا بارشِ رحمت نہیں کرتا
لوٹی ہوئی دولت کو مقدر نہیں کہتے

اپنا نہیں کہتے نہ کہیں ہم کو وہ لیکن
یہ کیا ہے کہ وہ غیر بھی کھل کر نہیں کہتے

جو ہم نے کہا نازؔ بہر حال ہوا ہے
ہر چند کہ ہم خود کو قلندر نہیں کہتے

◎

پڑا ہوں راستے میں تشنۂ دیدار برسوں سے
ترے قدموں کی آہٹ بھی نہ آئی یار برسوں سے

ہمیں بس ایک پل تسکین کا درکار ہے یارو
غمِ حالات سے ہیں برسرِ پیکار برسوں سے

کبھی تو توڑنے اُٹھے گا مردِ حق کوئی اس کو
کھڑی ہے راہ میں اک ظلم کی دیوار برسوں سے

نہ جانے کب بنے گا قوم کی تقدیر کا تارا
کھلونے کی طرح سے ہے دلِ فنکار برسوں سے

شگوفے اپنی آرائش میں ہی مصروف رہتے ہیں
حفاظت کر رہے ہیں گلستاں کی خار برسوں سے

نگاہوں پر لگا ہے انتظارِ یار کا پہرہ
مسلط ہے فضائے دل پہ یادِ یار برسوں سے

بہت محتاط رہتے ہیں مگر پھر بھی خدا جانے
ہیں کیوں اے نازؔ ہم زیرِ عتابِ یار برسوں سے

◎

یا تو لہو سے خاک کا قرضہ اُتار دے
مردانگی کا ورنہ یہ تمغہ اُتار دے

یا رب کبھی تو بھیج ہواؤں کے دوش پر
ایسی گھٹا جو دھوپ کا غصّہ اُتار دے

پگھلا سکوں میں برف قبیلے کو اے خدا
مجھ پر حرارتوں کا صحیفہ اُتار دے

یا چھوڑ دے شکار پرندوں کا کھیلنا
یا پھر یہ سبز رنگ کا چوغہ اُتار دے

اک حرفِ تلخ سن کے لگا نازؔ اس طرح
جس طرح کوئی روح میں نیزہ اُتار دے

◎

ایک مدت سے ہیں بزم آرائیاں سوئی ہوئیں
نوجوانی کی طرب افزائیاں سوئی ہوئیں

چونک اٹھتی ہیں میں کروٹ بھی بدلتا ہوں اگر
میرے پہلو میں مری تنہائیاں سوئی ہوئیں

دیکھتی رہتی ہیں اکثر دیکھنے والوں کے طور
آنکھ کے پاتال میں بینائیاں سوئی ہوئیں

اپنی شہرت کے لگا نعرے نہ اتنی زور سے
جاگ اٹھیں سن کر جنہیں رسوائیاں سوئی ہوئیں

رُت بدلنے کی منادی اب تو کرتے کوہسار
اب تو آنکھیں کھولتیں پُروائیاں سوئی ہوئیں

دیکھ کر مہتاب بھی روزن سے حیراں ہو گیا
مجھ کو بیدار اور مری پرچھائیاں سوئی ہوئیں

''وِیرؔ'' کا دل نازؔ ''لیرو لیرؔ'' غم سے ہو گیا
دیکھ کر فٹ پاتھ پر ''ماں جائیاں'' سوئی ہوئیں

◎

مرے دل میں تو تیری آرزو کے پھول کھلتے ہیں
ترے ہونٹوں پہ کیوں ذکرِ عدو کے پھول کھلتے ہیں

خزائیں نا امیدی کی مرے دل میں نہیں آتیں
سدا اس باغ میں "لَاتَقنَطُوْ" کے پھول کھلتے ہیں

فضائے ہُو میں نورِ معرفت ہر سو بکھرتا ہے
دلِ درویش میں جب اللہ ہُو کے پھول کھلتے ہیں

یہ پوچھو عظمتِ اسلام کے ایثار مندوں سے
سُلگتی ریت پر کیسے "لہو کے پھول" کھلتے ہیں

تجارت میں جہاں ڈھلنے لگیں سوچیں سخن ور کی
وہاں کم ہی سخن کی آبرو کے پھول کھلتے ہیں

کوئی بھی نازؔ موسم ہو مگر وحشت کی شاخوں پر
لہو کے پیاسے اور دولت کے بھوکے پھول کھلتے ہیں

◎

ہر روز ہے اُس حسنِ ستم گر کی صدا اور
سُنتا ہوں میں اب اپنے مقدر کی صدا اور

اب معرکۂ حق کے ہے منظر کی صدا اور
شہ رگ کی جگہ ٹوٹتے خنجر کی صدا اور

پیغام تو دیتے ہیں مساوات کا دونوں
لینن کی صدا اور ہے بوذر کی صدا اور

اشعار میں ڈھلتی ہے جو سینے سے نکل کر
اے دوست وہ ہوتی ہے سخنور کی صدا اور

انسان کو یوں وقت نے تقسیم کیا ہے
باہر کی صدا اور ہے، اندر کی صدا اور

جو تاج ہے سر پر وہ ہتھیلی پہ ہے کاسہ
سلطان سے لیکن ہے گداگر کی صدا اور

اس بار کوئی سیپیاں چننے کو نہ نکلے
اس بار میں سنتا ہوں سمندر کی صدا اور

گو ٹوٹتے ہیں ایک ہی انداز سے دونوں
شیشے کی صدا اور ہے، پتھر کی صدا اور

جذبوں کو تشدد سے جلا اور ملے گی
گونجے گی یہاں نازؔ قلندر کی صدا اور

◎

بجلیوں کی زد میں ہر شاخِ نشیمن دیکھ کر
رنگ اڑا جاتا ہے میرا رنگِ گلشن دیکھ کر

کیسے کیسے آسماں خونی زمیں نے کھا لیے
سوچتا ہوں صاحبانِ دل کے مدفن دیکھ کر

ہر قدم پر سو دعائیں آپ کی زلفوں کو دیں
زندگی کی راہ میں الجھن پہ الجھن دیکھ کر

دل میں لو دیتی امنگوں کا خیال آنے لگا
کانچ کے شوکیس میں شیشے کے برتن دیکھ کر

خیر کچھ تو کام آئی سرخئ خونِ جگر
خوش ہوا ہے دل تمنا کو سہاگن دیکھ کر

آ گیا ہے یاد مرجھایا ہوا چہرہ کوئی
دل گرفتہ ہو گیا ہوں چاند گرہن دیکھ کر

مفلسوں کو سب سمجھتے ہیں اچھوتوں کی طرح
نازؔ مجھ سے دور ہیں سب مجھ کو نردھن دیکھ کر

◎

خزاں اس بار کچھ اتنا شگفتہ روپ دھار آئی
گل و غنچہ پکار اٹھے بہار آئی، بہار آئی

کچھ اس صورت سے دل کو کلفتِ غم سازگار آئی
کہ دامانِ خزاں سے بھی ہمیں بوئے بہار آئی

پہنچ کر نکہت زلفِ بتاں صحنِ گلستاں میں
گلوں میں رنگ بھر آئی، شگوفوں کو نکھار آئی

پناہِ میکدہ میں درد کے مارے چلے آئے
نظر جب بھی نہ کوئی صورتِ صبر و قرار آئی

یہ مانا تجربہ ہے تجھ کو رنج و غم اٹھانے کا
ذرا ثابت قدم اے دل کہ شامِ انتظار آئی

کیا تھا مر کے حاصل نازؔ اعزازِ خودی جس کو
مری قسمت ادا و عشق کی بازی میں ہار آئی

◎

دل کہ پھر بیقرار ہے پیہم
اس کو دیکھا بہ دیدۂ پرنم

اس کے رخسار پر وہ اشکِ غم
دامنِ گل پہ قطرۂ شبنم

دل نہ بہہ جائے آنسوؤں میں کہیں
جوشِ گریہ سنبھل، سنبھل تھم، تھم

گیسوؤں کی حسین چھاؤں میں
ہم کو راحت مِلی تو ہے پر کم

ڈر رہا ہوں ہوس کی آندھی میں
گر نہ جائے خلوص کا پرچم

حسرتوں کے جوان لاشے ہیں
نازؔ کب تک کرو تم ماتم

◎

عشق کی داستاں باقی ہے
میرے منہ میں زباں باقی ہے

ہر شہیدِ وفا کا دنیا میں
نام زندہ، نشان باقی ہے

ہے طلوعِ سحر میں دیر ابھی
شب گزیدوں میں جان باقی ہے

گھورتے کیا ہو میری میت کو
کیا کوئی امتحان باقی ہے

خالِ رُخسارِ یار تیری قسم
داغِ دل کا نشان باقی ہے

عشق کی بانسری میں نازؔ اب بھی
جاں نثاری کی تان باقی ہے

◎

ایفا کا ہو یقین تو پیمان باندھیئے
مضمون ہو تو پھر کوئی عنوان باندھیئے

بے پیرویٔ میر تقی میر کچھ نہیں
سو سو غزل میں قافیے آسان باندھیئے

آواز دے رہا ہے نئی محفلوں کا ذوق
یارو نئے ہیں ساز، نئی تان باندھیئے

آنے کو حکم کُوچ کا بس آج کل میں ہے
تیار رہیے، وقت پر سامان باندھیئے

خود باغباں نے بیچ دیں گلشن کی رونقیں
گلچیں پہ نازؔ کس لیے بہتان باندھیئے

◎

پھول کچھ زخموں کے کچھ اشکوں کے گوہر دے سکا
ہم نے ہنس کر لے لیا جو بھی مقدر دے سکا

فرقتوں کی دھوپ نے جھلسا دیا میرا بدن
تُو نہ لیکن قربتوں کی مجھ کو چادر دے سکا

جس نے ساری زندگی سونا اُگایا کھیت میں
اپنی بیٹی کو نہ چاندی کا بھی زیور دے سکا

سوچتا رہتا ہوں اکثر، ایک حیرت کے سوا
آئینے کو اور کیا کچھ آئینہ گر دے سکا

چار دن کی قربتوں کو بھی دعا دیتے رہو
کون کس کا ساتھ یارو زندگی بھر دے سکا

اب کے تو مایوس کچھ اس نے کیا ایسے کہ بس
اب کے تو غم بھی نہ مجھ کو وہ ستمگر دے سکا

سلطنت تاراج کر دوں گا غمِ حالات کی
نازؔ مجھ کو دل اگر جذبوں کا لشکر دے سکا

◎

جوئے کا رسیا جواریوں کی تلاش میں ہے
شکار خود ہی شکاریوں کی تلاش میں ہے

نئے نئے سے حریف گھیرے ہوئے ہیں مجھ کو
نئی نئی سی وہ یاریوں کی تلاش میں ہے

وفا اکیلی ڈٹی کھڑی ہے ازل کے دن سے
جفا ابھی تک حواریوں کی تلاش میں ہے

ہے بہن اس کی اکیلی گھر میں اُسے بتاؤ
وہ شوخ گبھرو جو ناریوں کی تلاش میں ہے

◎

ضربِ تیشہ ہی سے فرہاد کو مر جانا تھا
کہ ستمگر نے محبت کو ہُنر جانا تھا

دستکیں دے کے ہواؤں کو گزر جانا تھا
حسبِ معمول انہیں اگلے نگر جانا تھا

شدتِ شوق نہ وہ جوشِ تمنا باقی
چڑھ کے دریاؤں کو اِک روز اتر جانا تھا

بیخودی میں نہ رہی دَیر و دَم کی بھی تمیز
کیا خبر مجھ کو اِدھر یا کے اُدھر جانا تھا

میرے جینے کا سبب ہے تیری وعدہ شکنی
تُو جو آتا تو خوشی سے مجھے مر جانا تھا

◎

مرا ہر لفظ آنسو ہو گیا ہے
غمِ دوراں کا جادو ہو گیا ہے

دعائیں دے مری رسوائیوں کو
ترا پرچار ہرسو ہو گیا ہے

سسکتا ہے تہی دستی پہ کمسن
رہا مٹھی سے جگنو ہو گیا ہے

علم لہرا رہا ہے اب بھی مِیرا
قلم ہر چند بازو ہو گیا ہے

یا میں کچھ کم نظر سا ہو گیا ہوں
یا کچھ بے رنگ سا تو ہو گیا ہے

فضائے ہُو میں یا ہُو جپتے جپتے
جو بے ہُو تھا وہ باہُو ہو گیا ہے

◎

جو ہنس کر غیر سے تُو بولتا ہے
مرا ایک ایک آنسو بولتا ہے

تجھے پتھر بنا دے گی خموشی
یہاں لفظوں کا جادو بولتا ہے

اُڑی پھرتی ہیں کیا جھلمل سی باتیں
یہ کس لہجے میں جگنو بولتا ہے

حسین ہے تُو تو باتیں بھی حسیں کر
کہ ہر اک پھول خوشبو بولتا ہے

چھُپی ہے نازؔ ہُو کی بانسری میں
وہ لَے جس لَے میں باہُوؒ بولتا ہے

◎

دوستی باعثِ نقصاں ہوئی جاتی ہے
زندگی سخت پریشان ہوئی جاتی ہے

ان کے رخ پر وہ تبسم وہ حیا کی سرخی
شوکتِ دید کا سامان ہوئی جاتی ہے

ان کے ہونٹوں پر بکھر کر جو ہنسی ٹوٹ گئی
نغمۂ حسن میں غلطان ہوئی جاتی ہے

جانے کیا آپ نے آتے ہی فسوں پھونکا ہے
زندگی آپ پہ قربان ہوئی جاتی ہے

مصحفِ رخ کی تجلّی کی ضیا باری سے
ہر نظر حافظِ قرآن ہوئی جاتی ہے

کیا انہیں ربط کے لمحات کا ہے عکسِ جمیل؟
زلف اُن کی جو پریشان ہوئی جاتی ہے

غرق، میں آپ کے آنسو میں ہوا جاتا ہوں
بوند میرے لیے طوفان ہوئی جاتی ہے

شمعِ ہستی تو ہے اب نازؔ ہوا کی زد پہ
ہر گھڑی حسرت و ارمان ہوئی جاتی ہے

◎

نصیحت رائیگاں ہے آپ کی، برسات کے دن ہیں
معافی چاہتا ہوں شیخ جی برسات کے دن ہیں

نہ روکو مجھ کو مئے نوشی سے جل جاؤں گا میں ورنہ
بھڑک اٹھا ہے زخمِ تشنگی برسات کے دن ہیں

نیا ساقی، نیا مشرب، نیا دستورِ میخانہ
نئی مستی، نئے جلوے، نئی برسات کے دن ہیں

تو لے ڈوبی مجھے بھی ساتھ اپنے گردشِ دوراں
اری کمبخت! یہ تو سوچتی برسات کے دن ہیں

مسلسل اشک برساتی رہیں آنکھیں اِدھر میری
اُدھر ان کو غلط فہمی رہی برسات کے دن ہیں

جھٹک دو ہاتھ سے اے نازؔ دامن احتیاطوں کا
بروئے کار لاؤ بے خودی برسات کے دن ہیں

◎

غزل میں بھی شریعت کا چراغاں کر دیا میں نے
کہ اپنی شاعری کو جزوِ ایماں کر دیا میں نے

لگایا نعرہ حق کا ایسی بے باکی سے مقتل میں
فقیہہِ مصلحت بیں کو پشیماں کر دیا میں نے

نہ جاں دے کر بھی تکمیلِ وفا ہو تو یہ تم جانو
مرے امکان میں جو تھا، مری جاں کر دیا میں نے

بڑھا جب اس کی جانب اپنا سر رکھے ہتھیلی پر
تو اپنے دشمنِ جاں کو پریشاں کر دیا میں نے

◎

ذوقِ تحقیق پہ گر مِیم مروڑی کھل جائے
جامِ ادراک میں وحدت کا اُجالا گھل جائے

اس طرح ڈھونڈے تجھے کوئی کہ کھو دے خود کو
یُوں ترا ورد کرے نام بھی اپنا بھل جائے

عشق تپتا ہوا تھل بھی ہے ''چنہاں'' بھی جس میں
ڈوب جائے کبھی سوہنی، کبھی سسّی رُل جائے

دھوپ نکلی ہے تو پھر برف بھی پگھلے گی ضرور
کیا خبر کون سی کب راہِ سفر کھل جائے

اپنے مقصد کو تکلّف پہ نہ قربان کرے
اس کو جانا ہے بہرطور تو بالکل جائے

اس قدر اشک ندامت کے بہا آنکھوں سے
تیرے دفتر سے گناہوں کی سیاہی دھُل جائے

سادگی سہمی ہوئی ناز نئی قدروں میں
شہر میں جیسے کوئی گاؤں کا بچہ ''رُل'' جائے

◎

ماحول میں اتری ہوئی رحمت کی پری ہے
یہ آہِ سحر خیز بھی کیا ''بھاگ بھری'' ہے

مولا کی محبت کی تپش کتنی کھری ہے
اِس آگ کو پی کر ہی مری رُوح ''ٹھری'' ہے

اللہ رے الفت کی لطافت کا کرشمہ
سسّی کے لیے ریت کا ٹیلہ بھی مری ہے

مٹی کا ہے ''ٹھوٹھا'' بھی اُسے ساغرِ زرّیں
کٹیا بھی قلندر کے لیے بارہ دری ہے

اے نازؔ یہ ہے خاکِ درِ یار کا ذرّہ
یا دولتِ کونین ہتھیلی پہ دھری ہے

◎

لب پہ تبسّم، دل میں جلن ہے
اپنی لگن پر فقر مگن ہے

دل ہے فریدؒ اور دھڑکن کافی
سینہ میرا کوٹ مِٹھن ہے

کھیڑا لاکھ سجیلا، بانکا
رانجھن ماہی پھر رانجھن ہے

''جنج'' تمنا، جذبے ''جانجی''
عشق ہے دولہا، موت دلہن ہے

جان سے بڑھ کر ''دھی'' کی حفاظت
آخرکار پرایا دھن ہے

خاک میں لتھڑا بانکا گبھرو
محنت کے آکاش کا ''چن'' ہے

اس ظالم کی زلفِ خمیدہ
کیا البیلی سی اُلجھن ہے

◎

بربادِ وفا ہو کے بھی اُونچا مِرا سر ہے
یہ زخمِ تمنا نہیں، سُرخاب کا پر ہے

پستی میں ہوں لیکن ہے مری زد میں بلندی
ذرّہ ہوں مگر چاند، ستاروں پہ نظر ہے

واعظ کو بھی توفیقِ عمل بخش دے یا رب!
یہ پیڑ بڑی دیر سے بے برگ و ثمر ہے

حسرت سی ٹپکتی ہے در و بام سے دن رات
یہ دل ہے مرا یا کسی مزدور کا گھر ہے

دونوں پہ اثر برف کے موسم کا ہے یکساں
وہ گرمیٔ جذبات اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

رونق ہے مری زیست کے آنگن میں انہیں سے
ہر شعر مرا نازؔ مرا لختِ جگر ہے

## دو شعر

وہ اہلِ زر بزعمِ کبریائی کچھ نہیں دیتا
بہت سا کام لیتا ہے، کمائی کچھ نہیں دیتا

ترا چہرہ ہی اب تو بن گیا ہے میری بینائی
نہ جب تک سامنے تو ہو، دکھائی کچھ نہیں دیتا

## دو شعر

سورج بھی تاریک دکھائی دیتا ہے
آنکھیں ہوں تو ٹھیک دکھائی دیتا ہے

جتنی دُوری پر بھی ہو گھر مفلس کا
ظالم کو نزدیک دکھائی دیتا ہے

◎

یورشِ آلام میں بھی حوصلے ٹوٹے نہیں
سنگ تو برسے تھے لیکن آئینے ٹوٹے نہیں

چوٹ سہہ کر بھی اُسی الفت سے دیکھا ہے اُسے
دل تو ٹوٹا ہے نظر کے زاویے ٹوٹے نہیں

چُور آپس میں ہی ٹکرا کر ہوئے ہیں دوستو
دوستی کے آئینے پتھراؤ سے ٹوٹے نہیں

یوں بھی تو میری طبیعت کی لچک کام آ گئی
بارِ غم سے میرے شانے جھک گئے، ٹوٹے نہیں

کون سی ہم نے سزا پائی نہ جرمِ عشق کی
نازؔ ہم پر غم کے محشر کون سے ٹوٹے نہیں

◎

نفرتیں جو بو رہے ہو عبرتیں کاٹو گے تم
اپنے ہاتھوں ہی سے اپنی شہ رگیں کاٹو گے تم

خود فروشوں کو خریدو گے بکیں گے جس قدر
مال و زر کی دھار پر جو بھی کٹیں کاٹو گے تم

اِک جواں للکار اُبھرے گی زمیں کی کوکھ سے
جب پرانے پیڑ کی بوڑھی جڑیں کاٹو گے تم

ان بہتّر جاں نثاروں کے ہیں لاکھوں جاں نثار
کتنے بازو اور کتنی گردنیں کاٹو گے تم؟

میری رسوائی کے بوٹے پھول پھل جانے تو دو
کل انہیں پیڑوں سے اپنی شہرتیں کاٹو گے تم

ذائقے اڑتے چلے جائیں گے قلب و روح کے
جسم کے کھیتوں سے جوں جوں لذّتیں کاٹو گے تم

◎

کبھی گلشن، کبھی صحرا، کبھی گھر یاد آتا ہے
وہ کیسی کیسی یادیں ساتھ لے کر یاد آتا ہے

کسی بھی حال میں گذرے مگر یہ اِک حقیقت ہے
جوانی کا زمانہ زندگی بھر یاد آتا ہے

بھُلاتا کیوں نہیں اس کو اگر میں پا نہیں سکتا
وہ میرا ہو نہیں سکتا تو کیونکر یاد آتا ہے

جہاں سے میں کبھی زخموں کے تمغے لے کے لوٹا تھا
مجھے اس شہر کا اِک ایک پتھر یاد آتا ہے

برائے تجربہ ہم آج مر کر دیکھ لیتے ہیں
کہا کرتے ہیں نازؔ انسان مر کر یاد آتا ہے

◎

نہ ایسے بھی خدایا زہد و تقویٰ کا بھرم نکلے
فقیہانِ حرم کی آستینوں سے صنم نکلے

محبت کی بہار آئی مگر خالی گئی آ کر
حصارِ بدگمانی سے نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

اتارا میں نے جب اپنا سفینہ بحرِ الفت میں
نجانے کتنے طوفانِ حوادث یم بہ یم نکلے

ترے چہرے کو مہر و ماہ سے تشبیہہ دوں کیونکر
کہ مہر و ماہ سے اونچے ترے نقشِ قدم نکلے

قدم جونہی رکھا اے نازؔ ہم نے شہرِ الفت میں
ہمارے خیر مقدم کو ہزاروں رنج و غم نکلے

◎

پھرا ہوں مارا مارا دیکھنے کو
رخِ روشن تمہارا دیکھنے کو

سمندر سے تڑپ کر موج نکلی
سمندر کا کنارا دیکھنے کو

ہے لائق دیکھنے کے حال میرا
چلے آؤ خدارا دیکھنے کو

صداقت کی نمائش سولیوں پر
کھڑا ہے شہر سارا دیکھنے کو

محبت کو اجل نے زندگی دی
وہ آئے منہ ہمارا دیکھنے کو

◎

نکلا تلاشِ بت میں تو مجھ کو خدا ملا
آ جا کے رستہ دیر کا کعبے سے جا ملا

دستِ فنا سے جامِ شرابِ بقا ملا
ایثارِ بے دریغ کو کیا مرتبہ ملا

چیخ اُٹھے ضربِ وقت سے دیوار و بام و در
لیکن ضمیرِ آدمی سویا ہوا ملا

ان کی ریا بھی قابلِ تعظیم ہو گئی
میرے خلوص کو بھی نہ کچھ مرتبہ ملا

آ ہی گیا بہار کی آمد کا اعتبار
ہر ایک زخم دل کا جو پھر سے ہرا ملا

◎

لٹاؤ مال نہ مُردوں کے مقبروں کے لیے
خراب حال ہیں زندہ ابھی گھروں کے لیے

گرا دیا ہے شرافت نے مجھ کو پستی میں
بلندیاں ہیں سبھی وقف خودسروں کے لیے

سپرد راہزوں کے خود آپ ہو جائیں
یہ راہرو جو پریشاں ہیں رہبروں کے لیے

دیا جو خون تو میں نے بہار کی خاطر
ہوا ہے جشنِ بہاراں تو دوسروں کے لیے

◎

یہ سوچ سوچ کے ہاتھوں سے دل لگا جانے
مری وفا کا ہو انجام کیا خدا جانے

ملا ہے درس یہ کربل کی داستاں سے مجھے
حیات ہے تو اسی کی جو سر کٹا جانے

ہوس نے درد کی سوغات چھین لی تجھ سے
سرورِ زیست ہے کیا شے تری بلا جانے

مجھے تو اس کی فراست پہ رحم آتا ہے
وہ سادہ دل جو فقیہوں کو پارسا جانے

مرے خلوص کے ہاتھوں میں اِک کھلونا ہے
وہ ایک شخص جو ہر شخص کو بنا جانے

کسی کے زخم پہ مرہم نہ رکھ سکی دنیا
یہ سنگدل تو فقط انگلیاں اٹھا جانے

◎

تذکرہ ساقی کا جس میں ہو نہ پیمانے کا نام
کوئی کیا رکھے گا ایسے خشک افسانے کا نام

گرد لوگوں نے کدورت کی اڑائی جس قدر
اور بھی چمکا جہاں میں تیرے دیوانے کا نام

وہ مَسل کر بھیجتا ہے پھول میرے واسطے
ذکر کرتا ہے مرا وہ لے کے بیگانے کا نام

تشنگی کے زخم جل اٹھتے ہیں جب احساس میں
گھول کر پانی میں پی لیتا ہوں میخانے کا نام

خیر ہو اے ملتِ نو تیرے حسنِ فکر کی
رکھ دیا تہذیب تو نے ناچنے، گانے کا نام

نازؔ تم پر بھی عیاں ہیں دوستوں کی نیتیں
مفت میں بدنام کیوں کرتے ہو بیگانے کا نام

◎

خوشبوؤں، رعنائیوں، رنگوں کا مدفن دیکھنے
کون جاتا ہے کسی کا اُجڑا گلشن دیکھنے

کُوک ونجلی کی نہ پینگوں کے ہُلارے اب کہیں
پڑ گئے کیا کیا ہمیں بے کیف ساون دیکھنے

رات بھر اُجڑے گھروں کی رونقوں کا سوچنا
سارا دن بستے گھروں کے سُونے آنگن دیکھنے

بیچ دُوں گا میں بیاضِ شعر بچوں کے لیے
غیر کے گھر جائیں کیوں وہ ٹیلی ویژن دیکھنے

◎

میرے جذبے بھی درخشاں ہیں مثالوں کی طرح
میں بھی آؤں گا کتابوں میں حوالوں کی طرح

رات دن کاٹتا رہتا ہوں مسائل کے پہاڑ
کام جذبے مجھے دیتے ہیں کدالوں کی طرح

صورتِ حال الجھتی ہی چلی جاتی ہے
تیری زلفوں کی طرح، میرے خیالوں کی طرح

دل کی بے ربط امنگوں کے پریشاں اوراق
کسی مزدور کے بکھرے ہوئے بالوں کی طرح

◎

سرِ میدانِ کربل لاشۂ شبیر کے ٹکڑے
جو دیکھے تو ہوئے کیا کیا دلِ ہمشیر کے ٹکڑے

رُلایا ہے لہو مختار نے مجبور کو اکثر
کیے ہیں بارہا تقدیر نے تدبیر کے ٹکڑے

وہاں ملتی نہیں اب نام کو بھی کوئی رنگینی
کبھی جنت نشاں تھے وادیٔ کشمیر کے ٹکڑے

ذرا کچھ زلزلہ آیا غمِ حالات کا دل میں
ہوئے دیوار سے گِر کر تِری تصویر کے ٹکڑے

کیے ہیں کتنی بیدردی سے کچھ سفّاک لوگوں نے
قلندر کے مقدس خواب کی تعبیر کے ٹکڑے

◎

بلا سے رنگ اپنا بام و در تبدیل کر لیتے
مگر بزدل تھے ہم کوئی کہ گھر تبدیل کر لیتے

یہاں ہر صاف گو شاعر کھٹکتا ہے رذیلوں کو
بس اتنی بات پر طرزِ ہُنر تبدیل کر لیتے؟

نہیں تھی عار کوئی جب تمہیں چہرہ بدلنے میں
نہ پھر کیوں ہم بھی اندازِ نظر تبدیل کر لیتے

سرِ دربار دستارِ فضیلت ہم کو مل جاتی
اگر اوروں کی طرح ہم بھی سر تبدیل کر لیتے

کروڑوں لوگ فاقوں سے نہ مرتے نازؔ دنیا میں
روش اپنی اگر کچھ اہلِ زر تبدیل کر لیتے

◎

اپنا سب کچھ تھا وہی جس سے کوئی رشتہ نہ تھا
پیار کا یہ فلسفہ میں عمر بھر سمجھا نہ تھا

جانے کیسی چال چلتے تھے عدم کے راہرو
تا بہ منزل راستے میں کوئی نقشِ پا نہ تھا

کس قدر خوش تھا کوئی مفلس کفن اوڑھے ہوئے
کپڑا بے چارے نے اچھا عمر بھر پہنا نہ تھا

ڈٹ گیا خود آج میرا سایہ میرے سامنے
میرا رستہ تو کبھی دشمن نے بھی روکا نہ تھا

ظلم کے مُجرے میں اہلِ شہر ایسے محو تھے
بیکسوں کے خون کی چیخیں کوئی سنتا نہ تھا

ٹوٹ جاتا اتنی آسانی سے آخر کس طرح
یہ مرا دل تھا کسی معشوق کا وعدہ نہ تھا

اپنی چھاؤں میں پناہیں سب کو دیتے تھے مگر
ننگے سر پیڑوں کی قسمت میں کوئی سایہ نہ تھا

ہائے وہ کہنا کسی کا آ کے میری لاش پر
ایسی گہری نیند تو یہ آج تک سویا نہ تھا

حشر میں کوئی رعایت ہم کو ملتی کس طرح
کاٹتے بھی نازؔ کیونکر جو کبھی بویا نہ تھا

◎

یادِ ماضی کے حصاروں سے نکلنا ہو گا
اک نئے درد کے اسلوب میں ڈھلنا ہو گا

صورتِ حال، بہرحال بدلنی ہے ہمیں
اپنا ہر طور، بہرطور بدلنا ہو گا

گرنا ممکن تو نہیں راہِ عمل میں لیکن
گر بھی جائیں تو ہمیں گر کے سنبھلنا ہو گا

لوگ کہتے ہیں ہمیں عزم و شجاعت کے چراغ
ہم کو بپھری ہوئی آندھی میں بھی جلنا ہو گا

بھڑک اٹھے ہیں مرے فکرِ جواں کے شعلے
اب مسائل کی چٹانوں کو پگھلنا ہو گا

ساتھ کچھ میں بھی بنا ہوں گا زمانے کا مگر
کچھ مرے ساتھ زمانے کو بھی چلنا ہو گا

نسلِ نوخیز تجھے اپنی بقا کی خاطر
اپنے اسلاف کے اسلوب میں ڈھلنا ہو گا

نازؔ پھر نبٹیں گے ہم دشت کے خونخواروں سے
پہلے بستی کے درندوں کو کُچلنا ہو گا

◎

صبح کی پہلی کرن سپنے سہانے لے گئی
ایک ساعت ساتھ اپنے سو زمانے لے گئی

محفلِ غم سے ابھی میں لوٹ کر آیا ہی تھا
یاد تیری کر کے پھر حیلے بہانے لے گئی

آ لیا رستے میں پہلے تیز آندھی نے مجھے
اور پھر بارش بہا کر شامیانے لے گئی

گردشِ دوراں مرے آنگن میں آئی جب کبھی
دے گئی صدمے نئے کچھ غم پرانے لے گئی

◎

راس اب کے ہمیں شہرِ ستمگر نہیں آیا
یارو کسی جانب سے بھی پتھر نہیں آیا

وہ چاندنی پھر نیند نگر میں نہیں چٹکی
پھر خواب میں وہ چاند سا پیکر نہیں آیا

مجبوری کا مفہوم سمجھ سکتا ہے کیونکر
رستے میں کبھی جس کے سمندر نہیں آیا

گونجی نہیں وادی میں بھی چرخی کی صدائیں
جوگی بھی پہاڑوں سے اتر کر نہیں آیا

سورج سے کہو نازؔ نہ اترائے تپش پر
میں موم کی پوشاک پہن کر نہیں آیا

◎

کہنے سننے کا سلیقہ ہے جسے جب آ جائے
میں صدا بندے کو دوں سامنے رب آ جائے

اِک قیامت ہے ملاقات کو آنا اُس کا
میں قیامت کا یقیں کر لوں اگر اب آ جائے

واعظِ شہر کو آتا ہے بہت کچھ لیکن
کاش انسان کا تھوڑا سا ادب آ جائے

برسرِ دار پہنچ جاتے ہیں اکثر ہم لوگ
بات حق کی جو کبھی برسرِ لب آ جائے

◎

کرتے تو ہو اس کو نظرانداز عزیزو
یاد آئے گا اِک روز تمہیں نازؔ عزیزو

دبتی ہے کہاں عشق کی آواز عزیزو
سولی پہ بھی ہے نغمہ سرا نازؔ عزیزو

کیا چیز تھی وہ چشمِ فسوں ساز عزیزو
آیا کبھی اپنے میں نہ پھر نازؔ عزیزو

دیوارِ خموشی میں کوئی در تو کھُلا ہے
جیسی بھی ہے گونجی تو ہے آواز عزیزو

آ جائے گی خود طاقتِ پرواز پروں میں
پیدا تو کرو جرأتِ پرواز عزیزو

موت اس لیے ہے میرے تعاقب میں ازل سے
جینے کے سکھاتا ہوں میں انداز عزیزو

◎

اس مہارت سے نکھاروں گا غزل کا چہرہ
جو بھی دیکھے نظر آئے اسے چہرہ، چہرہ

خال و خد سینکڑوں پردوں میں بھی بول اٹھتے ہیں
میری سرکار چھپائے نہیں چھپتا چہرہ

دل میں ہے آج بھی اِک چاند کے بجھنے کا سماں
میں نے دیکھا تھا کبھی اس کا اترتا چہرہ

کھوئی کھوئی ہوئی بے کار جوانی میری
اترا اترا ہوا ماں باپ کا بوڑھا چہرہ

میری آنکھیں میری پہچان سے انکاری ہیں
اجنبی لگتا ہے مجھ کو میرا اپنا چہرہ

◎

گھور اندھیرے میں بھی ہر چیز نظر آئی ہے
جانے کس شوخ کا چہرہ میری بینائی ہے

شام، جیسے کسی معصوم جنازے کا سکوت
صبح، جیسے کسی بارات کی شہنائی ہے

مسکرائے ہیں مرے حال پہ دھیرے سے جو آپ
میں سمجھتا ہوں میری حوصلہ افزائی ہے

اہلِ ایماں جسے محرابِ حرم کہتے ہیں
جانے کس شوخ کی ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے

مجھ کو اڑ جانا ہے صیاد، اگرچہ تو نے
پر کتر ڈالے ہیں زنجیر بھی پہنائی ہے

◎

ظالموں سے مصالحت میری
خود سے ہے اِک منافقت میری

ہو گئی خاک تیری الفت میں
سونے جیسی تھی شخصیت میری

ٹوٹا پھوٹا ہوں بارہا، لیکن
پھر بھی قائم ہے اصلیت میری

مجھ پہ ہنستی ہیں اب کھلی سڑکیں
مجھ کو آواز دے اے چھت میری

میری سانسیں ہیں اس کے زیرِ اثر
راج اس کا ہے، سطلنت میری

دار پر سرفراز فرمایا
اس قدر قدر و منزلت میری

آپ اپنے پہ کھل چکا ہوں میں
مجھ کو حاصل ہے معرفت میری

میں نے خوش کر لیا ہے انساں کو
اب یقینی ہے مغفرت میری

غیر کو نازؔ اس نے خط لکھا
پھر ستم یہ کہ معرفت میری

◎

ہر ضرورت کے لیے سوچوں کے پیکر بیچنا
مفلسی اب چاہتی ہے میرے جوہر بیچنا

ہے رقم درکار بیٹے کو کتابوں کے لیے
پڑ گیا ماں باپ کو بیٹی کا زیور بیچنا

دین نے دنیا بنا دی شیخ صاحب آپ کی
راس آیا آپ کو محراب و منبر بیچنا

طور بازارِ وفا کا اور ہے کچھ ان دنوں
سوچ کر کچھ مول لینا، کچھ سمجھ کر بیچنا

◎

محنت سے مرے ہاتھ پہ چھالے ہی رہے ہیں
قسمت میں مگر خشک نوالے ہی رہے ہیں

اِک آدھ مکاں روز یہاں جلتا رہا ہے
اس شہر کی گلیوں میں اجالے ہی رہے ہیں

مخلص کوئی ایسا ہے نہ مفلس کوئی اتنا
ہر رنگ میں ہم سب سے نرالے ہی رہے ہیں

کیا بات ہے ہر دور میں کیوں تیرے کرم سے
محروم ترے چاہنے والے ہی رہے ہیں

◎

اب تبسم بھی ہے یاروں کے عتابوں کی طرح
نعمتیں مجھ پہ اترتی ہیں عذابوں کی طرح

دل کے گلشن میں جوانی پہ ہے یادوں کی بہار
زخم شاخوں پہ چمکتے ہیں گلابوں کی طرح

یہ حکایات کے جمگھٹ، یہ خموشی کے ہجوم
اس کی آنکھوں کا بھی عالم ہے کتابوں کی طرح

جا بسے چاند نگر میں بھی کئی لوگ مگر
ہم زمیں پر بھی رہے خانہ خرابوں کی طرح

◎

بے کلی دل کو جو ہے آپ کے آنے تک ہے
یہ اندھیرا کوئی قندیل جلانے تک ہے

نسلِ آئندہ کا بھی ہمدم و دمساز ہوں میں
میرا فیضانِ ہنر اگلے زمانے تک ہے

بجلیوں کی یہ خموشی، یہ ہواؤں کا سکوت
آشیانہ کِسی ٹہنی پہ بنانے تک ہے

عقل والوں کو نشاں بھی نہیں ملتا اس کا
عشق والوں کی پہنچ اس کے ٹھکانے تک ہے

حوصلہ کس میں ہے دشمن کو دعا دینے کا
یہ روایت بھی محمدؐ کے گھرانے تک ہے

مجھ کو معلوم ہے انجام مری کٹیا کا
زندگی اس کی بھی برسات کے آنے تک ہے

◎

مہ وشوں سے دوستانہ دیکھیے کب تک رہے
دل بہلنے کا بہانہ دیکھیے کب تک رہے

دیکھیے کب تک رہے تسکینِ دل کا سلسلہ
انجمن میں ان کا آنا دیکھیے کب تک رہے

چوٹ کھانا، شکریہ کرنا ادا، دینا دعا
یہ خلوصِ شاعرانہ دیکھیے کب تک رہے

جانے کب آندھی اڑا دے کب جلا دیں بجلیاں
شاخِ گل پہ آشیانہ دیکھیے کب تک رہے

ہے جوانی ایک ڈھلتی چھاؤں کہتے ہیں سبھی
نازؔ یہ رنگیں زمانہ دیکھیے کب تک رہے

# تین شعر

فنا ہو کر بھی سچائی کا ہر پہلو سلامت ہے
جنازے اٹھ گئے پھولوں کے اور خوشبو سلامت ہے

اگرچہ تجھ پہ رنج و غم کے سَو کوہِ گراں ٹوٹے
دلِ زندہ تری کیا بات پھر بھی تو سلامت ہے

اِدھر اپنوں کی عیّاری، اُدھر غیروں کی مکّاری
نہ یہ پہلو سلامت ہے نہ وہ پہلو سلامت ہے

◎

ہمیں پیدا عجب اک صورتِ حالات کرنی ہے
بلانا بھی نہیں جس کو اسی سے بات کرنی ہے

اچھالا تھا نیا سورج کہ ہم پر دھوپ چھڑکے گا
خبر کیا تھی کہ اس نے آگ کی برسات کرنی ہے

چکانے آئے ہیں وہ تو مرے دریاؤں کا قرضہ
برس کر بادلوں نے کون سی خیرات کرنی ہے

یہ شہر اوقات سے نکلے ہوؤں کا شہر ہے پیارے
یہاں اوقات میں رہ کر بسر اوقات کرنی ہے

◎

پھونک ڈالا بجلیوں نے میرے مقصد کا درخت
جہد و ایثار و عمل کی آخری حد کا درخت

پی چکی ہیں اس کی شاخیں جتنے کتنوں کا لہو
کیسا آدم خور ہے یہ جاہ و مسند کا درخت

مختصر اتنی ہی اس کی چھاؤں آتی ہے نظر
جس قدر ہے کوئی اونچے قامت و قد کا درخت

کیا کہوں کڑھتا ہے کتنا زندگی کے حال پر
ایک مرقد کا دیا اور ایک معبد کا درخت

پھونک دے مجھ کو بلا سے دھوپ کی شدت مگر
میں نہ آنگن میں لگاؤں گا خوشامد کا درخت

ہر مصیبت میں مری ماں کی دعا میرے لیے
جلتے بلتے راستے میں جیسے برگد کا درخت

بن گیا سینہ تقدس کا خزینہ دوستو
دل میں جب پھولا پھلا عشقِ محمدؐ کا درخت

سرد و گرمِ وقت سے [illegible]ظ رکھتا ہے مجھے
میرے گھر میں نازؔ لطفِ آلِ احمدؐ کا درخت

## ایک شعر

بند ایسے بھی نہ ذہنوں کے دریچے رکھو
کچھ نہ کچھ رابطہ باہر کی ہوا سے رکھو

## دو شعر

جو ذکرِ یاد نہیں قصۂ عدو ہی چلے
ذرا یہ حبس تو ٹوٹے، ذرا سی لُو ہی چلے

کیا ہے فیصلہ تشنہ لبی کے ماروں نے
جو مئے نہیں ہے میسّر تو پھر لہو ہی چلے

◎

رات دِن میزانِ غم پر تولتی رہ جائے گی
زندگی مجھ کو رلاتی رولتی رہ جائے گی

پھڑپھڑا کر اپنے پر پنچھی کوئی اُڑ جائے گا
دیر تک سونی سی ٹہنی ڈولتی رہ جائے گی

دے کے دستک میں گذر جاؤں گا جھونکے کی طرح
وہ تغافل کیش کھڑکی کھولتی رہ جائے گی

موت اپنا کام کر جائے گی خاموشی کے ساتھ
زندگی کچھ منہ ہی منہ میں بولتی رہ جائے گی

داؤ چلتے ہی سپیرا کوئی ڈس لے گا اسے
زخمی ناگن عمر بھر بِس گھولتی رہ جائے گی

اس کے من مندر میں ہوں گا نازؔ میں وقفِ نیاز
وہ مجھے مسجد گلی میں ٹولتی رہ جائے گی

◎

خوشی ہوتی تو ہے لیکن بہت ساری نہیں ہوتی
ترے ملنے سے اب وہ کیفیت طاری نہیں ہوتی

یہ اہلِ دل کی محفل ہے یہاں بیٹھو تسلی سے
کسی سے بھی یہاں کوئی ریاکاری نہیں ہوتی

مجھے جرمِ طلب پر مفلسی مجبور کرتی ہے
مگر مجھ سے ہنر کے ساتھ غداری نہیں ہوتی

یہ لازم ہے غریبوں کے حقوق ان کو دیئے جائیں
فقط خیرات سے تو دور ناداری نہیں ہوتی

تصنع ڈھل نہیں سکتی کبھی شعروں کے سانچے میں
سخنور کی کوئی بھی بات بازاری نہیں ہوتی

بہت بددل ہیں میری شاعری سے لاڈلے میرے
کہ غزلوں سے کھلونوں کی خریداری نہیں ہوتی

دیا ہے اس کو اہلِ شوق نے درجہ عبادت کا
وہ یاری نازؔ جس میں کوئی عیّاری نہیں ہوتی

◎

اے دوست وہ جو حسنِ عمل کا درخت ہے
مت پوچھ کتنے قیمتی پھل کا درخت ہے

جس کو لہو سے سینچ رہا ہوں لگا کے آج
اے ہمنواؤ وہ مرے کل کا درخت ہے

اس کے پھلوں کا ذائقہ چکھتا ہے ہر کوئی
آنگن میں ہر کسی کے اجل کا درخت ہے

محروم ہی رہو گے مرادوں کی دھوپ سے
جب تک کہ نیتوں میں خلل کا درخت ہے

اتنا ہی بجلیوں کی ہے زد میں اے شہر یار
جتنا بلند تیرے محل کا درخت ہے

قائم ہیں اس کی شامِ ابد تک جوانیاں
کیا پائیدار صبحِ ازل کا درخت ہے

سسّی یہ کہہ کر لیٹ گئی اس کے سائے میں
ٹیلہ بھی اک لحاظ سے تھل کا درخت ہے

استاذِ محترم[1] کی دعاؤں کے فیض سے
تا حشر سبز میری غزل کا درخت ہے

تشبیہہ سرو کی بھی نظر میں جچی نہیں
کب نازؔ وہ بھی ان کے بدل کا درخت ہے

(1 میرے استاذِ گرامی حضرت احسان دانشؒ)

◎

کیا تر و تازہ تھا تشنہ کامیوں کے درمیاں
ابنِ حیدر، کوفیوں اور شامیوں کے درمیاں

کامیابی کا بس اتنا ہی پتہ معلوم ہے
اس کا مسکن ہے کہیں ناکامیوں کے درمیاں

حق پہ ہی سمجھا ہے اپنے آپ کو ہر حال میں
ہر ستمگر اپنے اپنے حامیوں کے درمیاں

جب دیانتدار نظریں نازؔ پرکھیں گی مجھے
خوبیاں بھی دیکھ لیں گی خامیوں کے درمیاں

◎

فرصت جو ملے ڈھونڈ کے لے آیئے مجھ کو
ممکن ہو تو مجھ سے کبھی ملوایئے مجھ کو

میں شاہ کے الطاف سے ایسے ہی بھلا ہوں
خیرات کی پوشاک نہ پہنایئے مجھ کو

تسلیم کھلے دل سے مجھے جرمِ وفا ہے
مقتل میں بڑے شوق سے بلوایئے مجھ کو

سنتا ہوں کہ کانٹے بھی نہیں اجڑے چمن میں
میں پھر بھی چلا جاتا ہوں، سمجھایئے مجھ کو

میں حرفِ صداقت ہوں وہاں بچ نہ سکوں گا
دربار کے ماتھے پہ نہ لکھوایئے مجھ کو

کرنا ہے سفر مجھ کو جوانی کا خدارا
نرغے سے بزرگوں کے نکلوایئے مجھ کو

◎

دل سے دنیا ہے عزیز آج بھی انسانوں کو
بھینٹ رسموں کی چڑھا دیتے ہیں ارمانوں کو

گھر سے باہر نہ کبھی راز نکالا گھر کا
لب پہ آنے نہ دیا درد کے افسانوں کو

فرقہ وارانہ تعصب کی عملداری میں
قتل کرتے ہیں مسلمان، مسلمانوں کو

ان کے دم سے ہی تو قائم ہے فراست کا بھرم
شک کی نظروں سے نہ دیکھا کرو دیوانوں کو

یا وسائل سے نواز ان کو یا غیرت دے دے
بیچ دیتے ہیں ضرورت میں جو ایمانوں کو

نازؔ ہے میرے گھروندے کو میری غیرت پر
میں نے حسرت میں نہ دیکھا کبھی ایوانوں کو

◎

ڈھلنے لگی اشکوں میں جوانی اسے کہنا
اب ختم ہی سمجھے یہ کہانی اسے کہنا

بچ کر رہے اس بردہ فروشوں کے نگر میں
بک جاتے نہ وہ یوسفِ ثانی اسے کہنا

اچھا، برا لوگوں سے کہلوائے نہ مجھ کو
کہہ لے مجھے خود اپنی زبانی اسے کہنا

دنیا کو محبت کی سعادت نہیں ملتی
باندی کبھی بنتی نہیں رانی اسے کہنا

ہے قتل میرے شہر میں پیاسوں کی ضرورت
مہنگا ہے یہاں خون سے پانی اسے کہنا

گھبرائے نہ، کٹنے کو ہے اِک عمر کی دوری
گرنے کو ہے دیوار پرانی اسے کہنا

دم گھٹنے لگا نازؔ میرا شہرِ بدن میں
کرنے کو ہوں میں نقل مکانی اسے کہنا

◎

جدائی کے کڑے کوسوں کا ظلمت یار سناٹا
وہی اس پار سناٹا، وہی اس پار سناٹا

میں چھوڑ آیا تھا جس کے خوف سے ماحول غاروں کا
ملا ہے بستیوں میں بھی وہی خونخوار سناٹا

سزا ملنی تو ہے آخر گناہِ لب کشائی کی
مجھے لے جائے گا اِک روز سوئے دار سناٹا

سبھی کچھ دیکھتے، سنتے ہوئے پتھر کے بن جاؤ
زبانِ حال سے کہتا ہے پراسرار سناٹا

بسر اک رات کی تھی رات کی رانی کے پہلو میں
ابھی تک یاد ہے مجھ کو وہ خوشبودار سناٹا

نہ کرنا اعتبار اس پر، جہاں بھی پاؤں بہکے گا
بپا اک شور کر دے گا وہیں عیار سناٹا

یکایک سلسلہ میری صدا کا ٹوٹ جائے گا
اچانک مجھ پے کر جائے گا اپنا وار سناٹا

وہی اپنی دعائیں، بے نیازی ہے وہی اس کی
رہی مجبور آوازیں، وہی مختار سناٹا

پلا کر آگ لہجوں کی بجھائیں تشنگی اس کی
نہیں تو خون پی لے گا مری سرکار سناٹا

◎

ہوا کی سرسراہٹ ہے نہ کوئی چاپ قدموں کی
سرِ دیوار سناٹا، پسِ دیوار سناٹا

مرے سینے میں یوں انگڑائی لی ہے عزمِ خفتہ نے
کہ جیسے ہو رہا ہو نیند سے بیدار سناٹا

مرا دل ہی تو منزل اس نگاہِ شرمگیں کی ہے
یہیں آ کر رکے گا وہ صبا رفتار سناٹا

اگر محفل نہیں سجتی تو مقتل ہی سجے کوئی
کہ سہہ سکتا نہیں اس درد کا فنکار سناٹا

اکیلا انجمن آرائیوں نے کر دیا مجھ کو
مری ہنگامہ خیزی کی ہے پیداوار سناٹا

کھنکتی الفتوں کی ابتدا ہونے کو ہے پھر سے
قریب المرگ ہے نفرت کا اب بیمار سناٹا

نہ پوچھو کیسے میری گلبدن تنہائی سوتی ہے
بچھا کر صحن میں ہر رات کو پرخار سناٹا

یہاں گردن اٹھا کر بات کر سکتا نہیں کوئی
کھڑا ہے سر پہ تانے خوف کی تلوار سناٹا

◎

صد شکر زمانے کی ضرورت نہیں پڑتی
احسان اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی

قسمت کا لکھا فقر کے پاس آتا ہے چل کر
اس کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی

آ جاتا ہے جب بات نبھانے کا قرینہ
پھر بات بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی

رہتی ہیں تری یاد سے روشن مری راتیں
قندیل جلانے کی ضرورت نہیں پڑتی

چہرے سے مرا حال وہ پڑھ لیتا ہے اکثر
اشعار سنانے کی ضرورت نہیں پڑتی

◎

یارو کسی جلاد کی تعظیم نہ کرنا
مر جانا، مگر ظلم کو تسلیم نہ کرنا

جو میرے تنزل کا سبب آج بنی ہے
جاری مرے بچوں میں وہ تعلیم نہ کرنا

دینا نہ جواب اس کی جفاؤں کا جفا سے
آئینِ وفا میں کبھی ترمیم نہ کرنا

فاقوں میں اتر آنا نہ توہینِ ہنر پر
نیلام کبھی شعر کی اقلیم نہ کرنا

بچے بڑے حساس ہوا کرتے ہیں، ان پر
ظاہر کبھی غربت کے مفاہیم نہ کرنا

پھر جمع نہ کر پاؤ گے صدیوں میں بھی خود کو
ناآز اپنی اکائی کبھی تقسیم نہ کرنا

# تین شعر

زندگی، اِک مسئلہ تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے
ذہن کچھ الجھا ہوا تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

مل کے رستہ روکنا ہو گا ہمیں سیلاب کا
گاؤں میں اِک جھونپڑا تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

کیوں نہ ہم اِک دوسرے کو تھام لیں اس حال میں
حوصلہ ٹوٹا ہوا تیرا بھی ہے، میرا بھی ہے

◎

آبرو ہو گئی رخصت اس کی
لے گئی اس کو بغاوت اس کی

حسبِ وعدہ وہ نہ آئے شاید
بھول جانا بھی ہے عادت اس کی

عالم خواب میں ہوتا ہے وہ جب
جاگتی رہتی ہے قسمت اس کی

اس لیے ہار گیا ہوں بازی
مجھ کو منظور تھی نصرت اس کی

اس کی یادیں ہیں مرا سرمایہ
میری سوچیں ہیں امانت اس کی

میز پہ جا کے سجا دیتا ہے
میری آنکھیں ہیں ضرورت اس کی

ناز کرتا ہوں جو خود پر اتنا
مجھ پہ طاری ہے طبیعت اس کی

◎

میں نے کہا کہ دشت میں خیمے لگاؤں گا
اس نے کہا میں کرب کی آندھی اٹھاؤں گا

میں نے کہا کہ تجھ کو غزل میں سجاؤں گا
اس نے کہا کہ تیرا ہنر آزماؤں گا

میں نے کہا سفیرِ وفا بھیج دوں اگر؟
اس نے کہا کہ مسندِ دل پر بٹھاؤں گا

میں نے کہا کہ بھیجوں گا چٹھی ہوا کے ہاتھ
اس نے کہا کہ میں بھی کبوتر اڑاؤں گا

میں نے کہا کہ کیوں مری مٹی خراب کی
اس نے کہا کہ تیرا مقدر بناؤں گا

میں نے کہا شکست بھی حصہ ہے جنگ کا
اس نے کہا کہ پہلے سفینے جلاؤں گا

میں نے کہا کہ برف نہ پگھلی اگر وہاں
اس نے کہا سلگتا ہوا لوٹ آؤں گا

میں نے کہا کہ شہر کے بارے میں کوئی بات
اس نے کہا کہ جائزہ لے کر بتاؤں گا

میں نے کہا کہ تجھ کو بناؤں گا آئینہ
اس نے کہا کہ میں بھی کبھی ٹوٹ جاؤں گا

◎

تان سازِ درد کی درد آشنا تک جائے گی
بات بندے کی بہرصورت خدا تک جائے گی

جان سے جائے گا میرے ساتھ جو بھی آئے گا
میری غیرت مجھ کو لے کر کربلا تک جائے گی

بات میری سرخئ خوں کی سرِ بزمِ وفا
جب بھی چل نکلی ترے رنگِ حنا تک جائے گی

خسروِ شہرِ جمال آئے گا سوئے گلستاں
خیر مقدم کے لیے بادِ صبا تک جائے گی

''ہر کمالِ را زوال و ہر زوالِ را کمال''
یعنی جو بھی ابتدا ہے انتہا تک جائے گی

◎

جنونِ عشق یہ احسان کر گیا ہے میاں
کہ مجھ کو صاحبِ عرفان کر گیا ہے میاں

وہ اپنا درد مجھے دان کر گیا ہے میاں
بڑا سخی بڑا احسان کر گیا ہے میاں

کبھی کبھی تو سمجھ بھی نہیں سکا اس کو
کبھی کبھی تو وہ حیران کر گیا ہے میاں

کمالِ حسن سے، حسنِ کمال سے گا ہے
وہ دل کی مشکلیں آسان کر گیا ہے میاں

چراغِ دل کی منڈیروں پہ پھر سے جل اٹھے
وہ پھر سے آنے کا پیمان کر گیا ہے میاں

بچھڑ گیا ہے تو مجھ کو ہوا ہے اندازہ
وہ مل کے کتنا پریشان کر گیا ہے میاں

وہ مل بھی جائے تو شاید نہ ہو سکے پورا
کسی کا ہجر جو نقصان کر گیا ہے میاں

وہ ایک اشک جو کانپا تھا میری پلکوں پر
شکستِ ضبط کا اعلان کر گیا ہے میاں

میں کیوں نہ اس بتِ کافر کا معتقد ٹھہروں
جو مجھ کو صاحبِ ایمان کر گیا ہے میاں

انا ہی آخری پونجی تھی نازؔ کی، جس کو
وہ نامِ عشق پہ قربان کر گیا ہے میاں

◎

ہر طرف ہے رسمِ قتلِ عام جاری دھوپ کی
ہے رواں چھاؤں کی گردن پر کٹاری دھوپ کی

خوں جلا کر تاپنے کا اب مجھے فن آ گیا
اب کوئی پروا نہیں مجھ کو تمہاری دھوپ کی

شدتِ احساس سے کتنوں نے آنکھیں پھوڑ لیں
مل گئی اندھوں کو جب تقسیم کاری دھوپ کی

چڑھتے سورج کی پرستش سے کیا تھا انحراف
ٹھن گئی اس دن سے آپس میں ہماری، دھوپ کی

موم کے پتلوں کی شکلیں مسخ ہو کر رہ گئیں
کس قدر مہنگی پڑی ہے ان کو یاری دھوپ کی

مستقل رشتہ کسی کے ساتھ سورج کا نہیں
ہر کسی کے ساتھ ہے وقتی سی یاری دھوپ کی

سائے کے حق میں دیا تھا ووٹ جس جس نے یہاں
ان پہ سورج نے ہے سب گرمی اتاری دھوپ کی

سانولا چہرہ اور ہونٹوں پر تبسم کی لکیر
جس طرح چھاؤں کی چُنری پر کناری دھوپ کی

شام تک سورج کا کاسہ نازؔ خالی ہو گیا
ختم آخر ہو گئی سب ریزگاری دھوپ کی

◎

تمہاری راہگذر سے گذر کے دیکھتے ہیں
پھر اس کے بعد نتیجے سفر کے دیکھتے ہیں

یونہی سہی یہ تماشہ بھی کر کے دیکھتے ہیں
کوئی سمیٹ ہی لے گا بکھر کے دیکھتے ہیں

نکل کے تم بھی جو پندارِ حسن سے دیکھو
تو ہم بھی بامِ انا سے اتر کر دیکھتے ہیں

ہمیں ہواؤں کے تیور جو دیکھنے ہوں کبھی
چراغِ جاں کو ہتھیلی پہ دھر کے دیکھتے ہیں

ملال یہ ہے کہ ہم آبرو سے جی نہ سکے
خیال یہ ہے کہ عزت سے مر کے دیکھتے ہیں

◎

اوڑھے ہوئے فطرت کے دو شالے نکل آئے
کیا کیا تیرے ہونے کے حوالے نکل آئے

جو چھین کے کھائے تھے نوالے نکل آئے
غاصب کی ہر اک سانس پہ چھالے نکل آئے

کچھ ایسے پڑی ضربتِ خورشیدِ جہاں تاب
ظلمات کی نس نس سے اجالے نکل آئے

میں ہار گیا بے لڑے، جب میرے مقابل
میداں میں میری گود کے پالے نکل آئے

کچھ ایسا فسوں اب کے بہاروں نے ہے پھونکا
شاخوں کی جگہ پیڑوں پہ بھالے نکل آئے

سمجھانے گئے رندوں کو میخانے میں واعظ
میخانے میں سے دستار سنبھالے نکل آئے

اس مرتبہ نازِ آتشِ گل تیز تھی اتنی
چھونا تھا کہ ہر پور پہ چھالے نکل آئے

## دو شعر

میں زندگی کے اجالوں کی خیر مانگتا ہوں
غزل کی اور غزالوں کی خیر مانگتا ہوں

بہت لذیذ نہیں مگر حلال تو ہیں
میں اپنے خشک نوالوں کی خیر مانگتا ہوں

## دو شعر

نت نیا اِک فریب دیتا ہے
دوست ہے، اس کو زیب دیتا ہے

وہ بلندی کے ہر مسافر کو
امتحاناً نشیب دیتا ہے

◎

عذابِ حسرت و آلام سے نکل جاؤ
مری سحر سے مری شام سے نکل جاؤ

بہانہ چاہیے گھر سے کوئی نکلنے کو
کسی طلب میں کسی کام سے نکل جاؤ

ہمارے خانۂ دل میں رہو سکون کے ساتھ
نکلنا چاہو تو آرام سے نکل جاؤ

خدا نصیب کرے تم کو بے گھری کا مذاق
حصارِ شوقِ در و بام سے نکل جاؤ

''سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے''
کسی طرف بھی، کسی نام سے نکل جاؤ

نکال پھینکو دلوں سے بتانِ بغض و عناد
نہیں تو حلقۂ اسلام سے نکل جاؤ

## دو شعر

سن تو لیتا ہے مگر بات سمجھتا کم ہے
میری مجبوریٔ فن سے وہ شناسا کم ہے

پوری ہوتی نہیں لفظوں سے کھلونوں کی کمی
میرا بیٹا مِرے شعروں سے بہلتا کم ہے

## دو شعر

اتنی شدت سے تو برسات بھی کم کم برسے
جس طرح آنکھ تیری یاد میں چھم چھم برسے

منتیں کون کرے ایک گھروندے کے لیے
کہہ دو بادل سے برستا ہے تو جم جم برسے